

اعتبار و فاکون کرے

ماہوش چوہدری



اعتبارِ وفا کون کرے

وہ اس وقت عائش سکندر کے بیڈروم میں اس کی بیج سجائے بیٹھی تھی۔ چاروں طرف پھولوں کی خوبصورت سجاوٹ دیکھ کر اس کے دل کو کچھ سکون ملا۔ سجاوٹ دیکھ کر کوئی ذی ہوش یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ شادی عائش کی مرضی کے بغیر ہوئی ہے۔ پھر مجھے کیوں دھمکارا تھا شاید امریکہ سے کوئی نیا طریقہ سیکھ کر آیا ہے اپنی ہونے والی دلہن کو تنگ کرنے کا۔ وہ اس وقت نیکٹیو سوچنا نہیں چاہتی تھی ابھی کچھ اور بھی سوچتی کہ دروازہ کھلنے اور لاک کرنے کی آواز سن کر گردن جھکا کر بیٹھ گئی۔ عائش کے قدموں کی چاپ اس کے دل پر پڑ رہی تھی۔ عائش بیڈ پر بالکل اس کے سامنے بیٹھ کر اس کا جائزہ لینے لگا۔ خوبصورت میرون لہنگے میں فل میک اپ کے ساتھ وہ کسی بھی مرد کے ہوش اڑانے کو تیار بیٹھی تھی۔ وہ تو پھر اس کا شوہر تھا جائزہ حقدار۔ آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام کر سہلایا۔

”تم میری توقع سے بڑھ کر حسین لگ رہی ہو فارہ۔ سمجھ نہیں آ رہا کہاں سے شروع کروں۔“

فارہ نے شرم سے مزید سر جھکا دیا۔ اس کی اس حرکت پر وہ ہلکا سا ہنسا۔

”فارہ۔“ پیار بھری سرگوشی ہوئی۔

”جج۔ جی۔“ وہ بمشکل بولی۔

”تم خوش ہو؟“

”جی۔“ مدھم آواز آئی۔

”تم یہی چاہتی تھی۔ انفیکٹ سب یہی چاہتے تھے۔ ہے ناں۔“

”جی۔“

وہ مسکرایا۔ ٹھوڑی پکڑ کر اونچی کی۔

”جی، جی کے علاوہ بھی کچھ کہو۔ میں جانتا ہوں تم بہت فرما بردار ہو اسی لیے میری فیملی کی چوائس ہو لیکن میں

تم سے آج کچھ خاص سننا چاہتا ہوں۔“

”ک۔ک۔ کیا۔؟“

”گھبراؤ مت۔ بس یہی کہ آج تم مجھ سے اظہار محبت کرو۔ کروگی ناں۔“ اس نے اصرار کیا

اس کی شرمیلی خاموشی دیکھ کر وہ پھر سے بولا۔

”کرو ناں فارہ۔ آج کی رات بہت خاص ہے۔ اس لیے کہہ دو جو بھی دل میں ہے۔“

”فارہ۔“

”جج۔ جی۔“

”کرو نا جان۔“ گھمبیر آواز میں فرمائش ہوئی۔

فارہ تو جان بھی دے دیتی اگر وہ اسی پیار بھرے لہجے میں مانگتا۔

”مم۔م۔م۔ میں۔ آپ۔ آپ سے۔ بب۔ بہت محبت کرتی ہوں۔“

مشکل سہی پراظہار ہو چکا تھا۔

”اچھا۔“ وہ مسکرایا۔ ”تو پھر اب میری باری لیکن میں عملاً اظہار کروں گا۔ کیونکہ مجھے بالکل بھی شرم نہیں آ

رہی تمہاری طرح۔“

شرارت سے اسے دیکھا۔ وہ نظریں جھکا گئی۔ محفوظ ہوتے ہوئے عائش نے اسے بازوؤں میں بھرا اور

سائیڈ لیپ آف کر دیا۔

فارہ نے بھی پرسکون ہو کر عائش کے سینے پر سر رکھ دیا۔ یہ جانے بغیر کہ کل کی صبح اس کے لیے کیا کچھ لانے والی ہے۔



صبح فارہ کی آنکھ کھلی تو محسوس ہوا کہ وہ بیڈ پر اکیلی ہے۔ دائیں جانب دیکھا عائش بستر پر نہیں تھا۔ چاروں طرف دیکھا کمر خالی تھا۔ شاید باہر ہو۔ وال کلاک پر نظر پڑی۔

”اوووف۔ نماز گزر گئی۔ نئی زندگی کی شروعات اس طرح۔ نہیں اللہ جی معافی۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا میں الارم لگا کر سوؤں گی۔ رائٹ۔“ خود کو مطمئن کر کے غسل کرنے چل دی۔

”اوہ۔ عائش ابھی بھی نہیں آئے۔“ خود کھامی کرتے ہوئے آئینے کے سامنے گئی۔ خود پر نظر پڑتے ہی شرما کر سمٹ گئی۔ عائش کا رویہ تو بالکل نارمل تھا میرے ساتھ پھر کیوں؟ اس نے مجھے۔ فون۔“ وہ اس قدر مگن تھی کہ کب عائش آیا اسے پتہ ہی نہ چلا۔ چونکی تو تب جب عائش اسے حصار میں لے چکا تھا۔

”آاااپ۔ آپ کب آئے۔“

”جب آپ تصور میں ہمیں سوچ رہی تھی۔“ وہ مسکرایا۔ ”اچھا بتاؤ کہاں گم تھی؟ ہاں۔“

فارہ کیا بولتی وہ تو سانس روکے اس کے حصار میں کھڑی تھی عائش کو اس کی حالت کا احساس ہوا تو بازو ہٹا لیے اور اس کا رخ اپنی جانب موڑا۔

کندھوں پر دباؤ ڈالتے ہوئے بولا۔

”وائے آریو شیورنگ ڈیر فارہ۔“

اس سے پہلے کے فارہ جواب دیتی دروازہ ناک ہوا۔ فارہ جلدی سے دور ہوئی۔

”میں دیکھتا ہوں۔“

ملازمہ ناشتہ لے کر آئی تھی۔

”ٹیبیل پر رکھ دو۔“ عائش نے ملازمہ سے کہا۔

سکینہ (ملازمہ) حکم کی تعمیل کر کے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد عائش نے فارہ کو آنکھ سے اشارہ کیا۔

”آؤنا شہہ کریں۔“

قارہ کو ہنوز کھڑے دیکھ کر پھر سے بولا۔

”قارہ ڈار لنگ کم ہیئر۔“

”لیکن باقی سب؟“ قارہ منمنائی۔

”باقی سب لیٹ اٹھیں گے۔ تم آؤ پھر مجھے لکھنا ہے۔“

قارہ نے چونک کر عائش کی طرف دیکھا۔

”لکھنا ہے کدھر۔“ وہ صرف سوچ سکی۔

”کم آن قارہ۔ ہری اپ۔ یار آؤنا کیا سوچ رہی ہو؟“

قارہ آہستگی سے چلتی ہوئی پاس آئی۔ عائش نے ہاتھ پکڑ کر اسے صوفے پر بٹھایا اور اچھے میزبان کی طرح جوس کا گلاس پکڑا لیا۔

خود بریڈ پر مکھن لگانے لگا۔

”بریڈ۔“ بریڈ قارہ کی جانب بڑھائی۔

”یہ کیا۔“

”اسے پیتے ہیں قارہ اور میں نے یہی کرنے کو اسے تم کو تھمایا ہے“ قارہ کے ہاتھ میں جوس کا بھرا گلاس دیکھ کر وہ چڑا۔ قارہ کو بالکل بچوں کی طرح ٹریٹ کرنا پڑ رہا تھا اسے۔

”یہ بریڈ بھی لو“

”نن۔ نہیں۔ آپ لیں میں جوس ہی لوں گی۔“

”اوکے۔“ وہ خود بریڈ کھانے لگا

”تمہارے حق مہر کا چیک سائیڈ ڈرار میں رکھا ہے لے لینا اوکے۔“

”جی۔ حق مہر یاد ہے اور منہ دکھائی۔“ قارہ نے سوچا۔ کہنے کی ہمت کہاں تھی۔

”قارہ! فنش یور جوس۔ یار کتنا سوچتی ہو۔ تم عنقریب نیا امریکہ دریافت کرو گی۔“ عائش اسے چھیڑتے

ہوئے اٹھا اور ہاتھ دھونے چلا گیا۔

قارہ نے جوس ختم کیا۔

”تم یہی سوچ رہی ہوگی کہ میں کیسا شوہر ہوں جس نے اپنی بیوی کو منہ دکھائی کا گفٹ بھی نہیں دیا۔ ہے نا۔“

وہ قارہ کی جانب بڑھا۔ قارہ کھڑی ہوئی۔

”ہیں۔ ان کو کیسے پتا چلا میری سوچ کا۔“

”میں آج بہت اسٹبل گفٹ دینے والا ہوں تمہیں انوکھا اور منفرد آئی تھنک مجھ سے پہلے کسی شوہر نے اپنی

بیوی کو منہ دکھائی میں نہیں دیا ہوگا۔ لیکن اس سے پہلے میری ایک فرمائش پوری کرو۔“

”فرمائش۔ کک۔ کیسی فرمائش۔“ قارہ کورات والی اٹھار محبت کروانے کی فرمائش یاد آئی۔

”لیپ اسٹک لگا دیا۔ کہیں سے نہیں لگ رہا تم ایک رات کی دلہن ہو۔“ قارہ کو سٹبل دیکھ کر وہ پھر سے گویا

ہوا۔ ”کم آن قارہ! ایک تو تم سوچتی بہت ہو۔ جاؤ۔ جاؤ ناں۔“

قارہ ڈرینک پر پڑے لیپ اسٹک شیڈ دیکھنے لگی۔

”کون سی لگاؤں۔ پتہ نہیں ان کو کیا رنگ پسند ہے۔“ وہ پھر سے سوچنے لگی

”ریڈ۔“ بہت قریب سے آواز آئی۔ عائش اس کی سوچ بچار دیکھ چکا تھا۔

”آئی وائنٹ ٹوسی یور لپس ان ریڈ کلر۔“ جذبوں سے پر آواز میں کہا گیا۔

قارہ نے کانپتے ہاتھوں سے سرخ لیپ اسٹک لگائی۔ عائش نے اس کا رخ اپنی جانب موڑا اور پیباک نظریں

قارہ کے ہونٹوں پر جمادیں۔

قارہ کنفیوز ہوئی۔ ان بے باک نظروں سے۔

”اف! کتنے رومینک ہیں یہ۔ پہلے تو نہیں تھے۔“

”عائش پلیز۔“ قارہ کی منمنناہٹ ابھری۔

عائش مسکرایا۔

”یو ٹیفل۔ لوکنگ نا کس۔“ وہ بولا۔

فارہ ذرا سا مسکرائی۔ عائش نے چند منٹ اور اسے کتفیوز کیا اور پھر پاس پڑے ڈبے سے ٹشو لے کر فارہ کی طرف بڑھایا۔

”اسے صاف کرو۔“

فارہ نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

”فیک اٹ اینڈ ریموورلپ اسٹک۔ آئندہ ریڈلپ سٹک مت لگانا۔ جیسے ہی فارہ نے ٹشو پکڑا، عائش نے کہا۔ عجیب پر اسرار انداز میں کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اسٹڈی میں گم ہو گیا۔
فارہ سوال لیے کھڑی رہ گئی۔



سکندر حسن اور سجاد حسن دو بھائی ہیں۔ سکندر بڑے جن کے تین بچے ہیں۔ سب سے بڑا رامش، پھر رمشا اور چھوٹا عائش جبکہ سجاد حسن کے دو بچے ہیں۔ قانز اور فارہ۔ قانز اور رمشا میرڈ ہیں جن ایک بیٹی ہے۔ رامش بھی شادی شدہ اور دو بچوں کا باپ ہے۔ عائش کے امریکہ اسٹی کے لیے جانے سے پہلے دونوں بھائیوں نے باہمی رضامندی سے عائش اور فارہ کا رشتہ طے کر دیا۔ عائش کو اس رشتے سے کوئی سروکار نہ تھا۔ جبکہ فارہ پورے دل سے رضامند تھی۔ رضامند کیوں ناں ہوتی آخر کو مشرقی لڑکی تھی اور ایک مشرقی لڑکی کے لیے ماں باپ کا فیصلہ ہی اچھا اور آخری ہوتا ہے۔



”ف.....ر.....ہ۔“

”اف بھابھی! ڈر دیا آپ نے۔“

”ارے ڈر پوک لڑکی، بہادر بنو بہادر، آخر کو میری بھابھی بننا ہے تمہیں۔“ رمشا شوخی سے بولی۔

”ہاں خود کی بہادری نے جو جھنڈے گاڑے ہیں سب جانتی ہوں۔“

”بہت چالاک ہو تم۔ فارہ کی بچی۔“

”آپ بھی کم نہیں۔ بھابھی کی بچی۔“

”فہم..... ر..... ہ۔“ فارہ کو لہبا کیا۔

”تجھے تو میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی زندگی کا گند۔“ رمشانے منہ بگاڑ کر کہا۔

”آپ کہہ بھی نہیں سکتی بھابھی۔“

”میں جانتی ہوں تمہاری کمینگی کو تم میری بات مجھی کو لوٹا دو گی۔“

”ایگزیکٹو بھابھی۔“

دونوں نے بھرپور ہتھ پہ لگایا۔

”ہاں سچ سنو رات کیا ہوا۔ فائز کے آفس آنے پر ان کے کپڑے نکالنے کے لیے جیسے ہی کبڈ

کھولا۔ اوو ووف فارہ۔ کا کروچ۔“

”کدھر..... کدھر کا کروچ۔ کس طرف بھابھی۔“

”ڈفر! کبڈ میں تھا۔“

”بھابھی! آپ بھی ناں۔“ فارہ شرمندہ ہوئی۔

”اچھا آگے سنو۔“

”مجھے چائے بنانے دیں۔“ فارہ اکتائی۔ رمشا کے زیادہ بولنے سے وہ چڑتی تھی اور اظہار بھی کر چکی تھی پر

وہ بھی رمشا تھی اپنے نام کی ایک۔

”بناؤ تم لیکن ساتھ میری بات بھی سنو۔“

”اچھا سنائیں۔“ سنائے بغیر رمشا کو چین کیسے آتا

”تھینکس سنو۔“



رمشانے جیسے ہی کبڈ کھولا ایک موٹے تازے کا کروچ نے استقبال کیا۔ ایک خوفناک دل دہلا دینے والی

چٹخ برآمد ہوئی۔ فائز جو نہانے کے لیے واش روم گیا ہی تھا چٹخ سن کر اٹھنے قدموں واپس مڑا۔

”کیا ہوا۔ کیوں چلا رہی ہو؟“

رمشا کو جوتے سمیٹ بیڈ پر کھڑے پایا۔

”فائز کا کروچ۔“

”شٹ۔ میں تمہیں کا کروچ دکھتا ہوں۔“ فائز کو شدید صدمہ ہوا۔

”اووہو۔ وہ وہاں کبڈ میں ہے۔ جلدی ماریں اس خبیث کا کروچ کو۔“

”واٹ۔ کا کروچ خبیث ہوتا ہے۔“ فائز نے رمشا کو جان بوجھ کر تنگ کیا۔

”فائز! تنگ مت کریں۔ پلیز اسے ماریں وہ کپڑوں میں گم ہو جائے گا۔“

”تم تنگ کرنے دیتی ہو کیا۔“ فائز شرارت سے بولا۔

”فائز۔“

”جی جان فائز۔“

”فائز پلیز۔“

”اوکے ڈیر۔ ہم سے اچھا تو یہ خبیث کا کروچ ہے جس سے تم بیویاں ڈرتیں تو ہیں۔ ہم جیسے جوانان مرد

شوہر تم لوگوں کو صرف ڈرانے کو ملے ہیں۔“ فائز نے بچارا سامنے بنایا جیسے واقعی بچارہ ہو۔

”فضول گوئی بند کریں فائز۔“

”واٹ۔ میری باتیں فضول، میرا رومانس فضول بلکہ میں پورے کا پورا فضول اور تم۔ تم تو سستی سادتری ہو

ناں۔ لو مارو خود اس خبیث کا کروچ کو۔“ فائز نے دانت پیسے۔ وہ جو مارنے ہی والا تھا اس کی بات سن کر پیچھے

ہٹا۔

”فائز۔ فائز میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“

”میں جانتا ہوں تمہیں بھی اور تمہارے مطلب کو بھی۔“ فائز چیخ پر اطمینان سے بیٹھ چکا تھا۔

”اوکے فائن سوری۔“ رمشا نے فوراً سوری کی۔ خود کا مفاد جو تھا۔

”اچھا چلو منت کرتی ہو تو ٹھیک ہے پر ایک شرط ہے۔“ فائز نے احسان کیا۔

”منظور ہے ہر شرط۔“

”پہلے سن لو۔“

”نہیں مجھے منظور ہے۔ ماریں اسے جلدی۔“

رمشا کا کروچ پر نظر رکھے کھڑی تھی کہ کہیں غائب نہ ہو جائے۔

”او کے سویٹ ہارٹ۔“

وہ کا کروچ مار چکا تھا۔

”جھینکس۔“

”نو جھینکس۔ نو سوری۔ صرف شرط۔“ قانز بولا۔

”اچھا بتائیں۔“ رمشا اکتائی اپنا کام جو ہو چکا تھا۔

”ادلے کا بدلا چاہیے۔“

”وہ کیسے؟“ رمشا حیران ہوئی۔

”رات کو جلدی کمرے میں آنا پھر بتاؤں گا بلکہ سمجھاؤں گا۔“ قانز نے آنکھ ماری۔

”قانز.....“

اس سے پہلے کہ وہ اس پر جھپٹتی، قانز ہنستا ہوا واش روم میں گھس چکا تھا۔ رمشا نے سارا واقع من و عن فارہ کے گوش گزار کیا سوائے پرائیویٹ پارٹس کے۔ مطلب رومینک گفتگو کے۔
بچن میں ایک بار پھر دونوں کی ہنسی بکھری۔



فارہ بیڈ پر بیٹھی سوچ رہی تھی کہ عائش نے جانے کی بات کیوں کی۔ وہ کہیں جا رہا ہے کیا لیکن کہاں؟ بھابھی نے تو نہیں بتایا کچھ ان کے جانے کے بارے میں لیکن۔

عائش اسٹڈی سے برآمد ہوا۔

فارہ متوجہ ہوئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں لیپ ٹاپ بیگ اور دوسرے میں ایک خاکی لفافہ تھا۔

فارہ کا دل کانپا۔

عائش بیڈ کے پاس آیا۔ بیگ بیڈ پر رکھا اور فارہ کو کندھوں سے پکڑ کر رو برو کیا۔
”فارہ۔“

”جی۔ جی۔“

”میں نے کہا تھا کہ میں تم کو بہت اٹو کھا اور منفرد گفت دلوں گا۔“
”جی۔ جی۔“

”یہ لو۔“ اس نے خاکی لفافہ فارہ کی جانب بڑھایا۔

”اسٹیشل گفٹ فار اسٹیشل پرسن۔“

”یہ۔ یہ کیا ہے؟“ فارہ نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

عائش نے اس کے ہاتھ میں تھاما اسے لفافہ پکڑایا، ہاتھ پر ہلکا سا دباؤ ڈال کر چھوڑ دیا۔

”خود ہی دیکھ لینا۔ او کے گڈ لک اینڈ ٹیک کیر۔“ فارہ کا گال تھپتھپایا اور جانے کے لیے دروازے کی

جانب بڑھا۔ اس سے پہلے کہ فارہ کچھ کہتی یا پوچھتی، وہ جا چکا تھا۔ عائش جا چکا تھا۔

عائش کے جانے کے بعد فارہ نے کپکپاتے ہونٹوں سے اللہ کا نام لیا اور دھڑکتے دل سے لفافہ چاک کیا۔

لفافے میں کچھ کاغذات تھے۔ فارہ نے کانپتے ہاتھوں سے انہیں باہر نکالا۔

”یہ۔ یہ کیا؟“ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کاغذات دیکھتی رہ گئی۔



”امی۔ بیٹھیں پلیز میں جس مقصد سے آئی ہوں وہ تو سن لیں۔“ رمشانے ماں کو پکڑ کر صوفے پر بٹھایا۔

”مقصد؟ کیسا مقصد۔“ مسز سکندر حیران ہوئیں۔

”امی! عائش کو واپس آئے ایک ماہ ہو چکا ہے۔“

”تو پھر؟“

”پھر کیا امی۔ آپ نے شادی کا کیا سوچا ہے؟ بات کی عائش سے؟“

”ہاں کی تھی۔“ مسز سکندر افسردہ سی بولیں۔

”کیا۔ کہا عائش نے۔“ رمشا ایکسا یکنڈ ہوئی۔

”کہتا ہے اسے شادی نہیں کرنی فارہ سے۔“

”واٹ؟“ رمشا اچھلی۔ ”اس کا دماغ ٹھکانے ہے کیا؟ کہاں ہے یہ لینڈ لارڈ میں خود پوچھتی ہوں اس سے۔“

”باہر گیا ہے۔ دوپہر تک آئے گا۔“

”آپ نے نہیں پوچھا کیوں کہہ رہا ہے وہ ایسے؟“

”پوچھا تھا۔ کہتا ہے فارہ اسے ایز آلائف پارٹنر پسند نہیں۔“

”تب سو یا ہوا تھا جب منگنی ہوئی تھی۔“ رمشا بڑھکی۔

”منگنی نہیں صرف زبانی کلامی بات ہوئی تھی وہ بھی تین سال پہلے۔“

”یہ آپ سے عائش نے کہا؟“

”ہاں۔“

”بابا نے اسے کچھ نہیں کہا۔ جو وہ الٹی سیدھی بکواس کر رہا ہے۔“

”تمہارے بابا نے پیار اور غصے دونوں سے بات کی ہے پر پتہ نہیں کیوں اتنا روڈ ہو رہا ہے۔ میری تو کچھ

سمجھ نہیں آ رہا۔“

”امی پھر۔ اب کیا ہوگا؟“ رمشا پریشان ہوئی۔

”تم فکر مت کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں آج سکندر سے بات کرتی ہوں۔“

”کیسے ہوگا ٹھیک؟ وہاں سب تیار بیٹھے ہیں فارہ کی شادی کو لے کر اور آج فائز ہی نے مجھے بھیجا ہے۔ اب

کیا کہوں گی جا کر نہیں۔“

”سنجبال لینا تم۔ فائز بہت سمجھدار ہے، سمجھ جائے گا۔ اچھا تم بیٹھو میں ذرا کچن دیکھ لوں۔“

رمشا سوچنے لگی کہ فائز کو کیسے مطمئن کرنا ہے۔



”یہ۔ یہ کیا۔ عائش۔ آپ۔ آپ۔ ایسا۔ کیسے۔ کر سکتے ہیں۔“ فارہ ٹوٹے پھوٹے لفظوں سے ہمکلام تھی۔
 ”انوکھا۔ اور منفرد۔ مجھ سے پہلے کسی نے نہیں دیا ہوگا ایسا گفٹ۔“ فارہ کے کانوں میں عائش کے الفاظ
 گونج رہے تھے۔

جانے سے پہلے آپ اسٹک کی فرمائش۔

دوبارہ ریڈ لپ سٹک مت لگانا کی تنبیہ۔

گڈ لک اینڈ فیک کیئر۔

فارہ کو اب سمجھ آ رہی تھی ان باتوں کی۔

”اوووف میرے خدایا۔ یہ کیا ہو گیا۔ یہ کیا کر دیا عائش آپ نے۔ مم۔ مجھے۔ مجھے ہی کیوں؟“

وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی اور سر گھٹنوں میں دے کر پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔



”مشا۔“

فائز اکٹر موڈ میں اسے مشائی پکارتا تھا۔

”کیا کر رہی ہو یار۔ میں کب سے دیکھ رہا ہوں تم جلے پیر کی ملی بنے یہاں وہاں چکر کاٹ رہی ہو۔ از

اپوری تھنگ اوکے؟“

کوئی اور وقت ہوتا تو رمشا بلی کی تشبیہ پر بڑھکتی ضرور لیکن اس وقت وہ پریشان تھی اس لیے چپ رہی۔

”ایٹی کنفیوزن؟“ فائز اس کی خاموشی پر کھٹکا۔

”نہیں۔“

”اگر ہے تو شیر کرو۔ منہ کیوں لٹکا رکھا ہے پہلے ہی بہت خوفناک ہے خرید مت بناؤ۔ رحم کرو یار مجھ

بیچارے ہینڈسم سے شوہر پر۔“ فائز نے اس کا موڈ فریش کرنا چاہا۔ رمشا مسکراتی ہوئی بیڈ پر فائز کے پاس بیٹھی۔

وہ بھی اٹھ بیٹھا۔

”جی تو جناب اب فرمائیں کیا مسئلہ ہے؟“ رمشا کا ہاتھ پکڑا۔

”کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ بلاوجہ تنگ کر رہی ہیں۔“

رمشانے منہ بنایا۔ ”اچھا آپ بتائیں۔ کیسا گزرا آج کا دن آفس میں۔“

”تھینک گاڈ۔ تمہیں یاد تو آیا کہ مابدولت آپ کے پیچھے شوہر ہیں۔ اور توجہ کے طلبگار۔“ فائز نے چھیڑا۔

”ہاں جانتی ہوں سب پیچاری آپ کی۔“

فائز مسکرایا۔ اس کے ہاتھ کولہوں سے لگایا۔ رمشا پیچھے ہٹی۔ وہ پھر سے ہنسا۔

”ہاں یار۔ یاد آیا تم گئی آج سکندر رولا؟“

وہ اسی بات سے ہی تو پچنا چاہ رہی تھی۔

”جی گئی تھی۔“ مدھم آواز میں بولی۔

”اچھا۔ پھر بات ہوئی تائی ماں سے؟“

”جی۔ ہوئی۔“

”کیا کہا انہوں نے۔ کب آرہے ہیں وہ لوگ ڈیٹ فائل کرنے؟“

”فائز! اتنی جلدی کس بات کی ہے۔“ رمشا منمنائی۔

”جلدی۔ کیسی جلدی؟“

”عائش کچھ دن پہلے ہی تو آیا ہے امریکہ سے۔ واپس اسے ایڈجسٹ تو ہو لینے دیں۔“

”تم تو ایسے کہہ رہی ہو ایڈجسٹمنٹ کا جیسے وہ یہاں سے نہ گیا ہو بلکہ ڈائریکٹ آسمان سے امریکہ میں ہی گرا

ہو۔“ فائز غصے میں آیا۔

”فائز! غصہ کیوں ہو رہے ہیں؟“

”تم بات ہی ایسی کر رہی ہو۔ فارہ کو ماسٹرز کیے ایک سال ہو چکا ہے۔ اس کی سب فرینڈز کی شادی ہو گئی

ہے اور تم۔ تم اپنا ہی یاد کرو تم نے لاسٹ سمسٹر شادی کے بعد پورا کیا تھا اور اب کہہ رہی ہو جلدی۔“

”اچھا نا بات تو سنیں پوری۔ امی کہہ رہی تھیں وہ اور بابا اسی دیک آئیں گے۔“ رمشانے جھوٹ بولا۔

”یہ بات تم پہلے بھی بتا سکتی تھی۔“

”بتا دیتی تو آپ کا لیکچر کون سنتا۔“ وہ مسکرائی۔

”یہ بھی ٹھیک ہے۔ تم کبھی کبھی ہی تو خاموش ہوتی ہو۔“ وہ ہنسا اور رمشا کو قریب کیا۔

”چھو۔ چھوڑیں۔ چھوڑیں نا فائز مجھے چائے بنانے جانا ہے۔“

”ایک تو جب بھی میں رومانس کے موڈ میں ہوتا ہوں تم فضول سا کام نکال لیتی ہو۔“ فائز بد مزہ ہوا۔

”اودیے۔“

”ارے۔ ارے کہاں جا رہی ہو یا رگو تو۔“

”فائز! شرم کریں ایک بیٹی کے باپ ہیں آپ۔“ رمشا دروازے کے پاس جا کر پلٹی۔

”تو۔ کہاں لکھا ہے ایک بیٹی کا باپ رومانس نہیں کر سکتا وہ بھی جائز۔ ویسے بھی وہ ایک بیٹی مجھے معصوم کی ہی

کوششوں سے اس دنیا میں آئی ہے ورنہ تم تو۔“ فائز نے آنکھ دہرائی۔

”کس قدر بے شرم ہیں آپ۔“ وہ لال ٹائٹل منہ لیے باہر نکلی۔ فائز کے چھت پھاڑ قہقہے نے اس کا دور تک

پچھا کیا۔



وہ لیپ ٹاپ پر بڑی تھا۔ جب دروازہ ٹاک ہوا۔

”لیں۔“

”صاحب جی۔ بڑے صاحب آپ کو بلا رہے ہیں اپنے روم میں۔“ ملازم نے پیغام دیا۔

”اوکے۔ آتا ہوں۔“

عائش تقریباً پندرہ منٹ بعد سکندر صاحب کے سامنے تھا۔

”جی بابا! آپ نے بلایا؟“

”ہاں۔ بیٹھو۔“

عائش صوفے پر بیٹھا۔

”میں اور تمہاری ماں اسی ہفتے جا رہے ہیں سجاد کی طرف تمہاری شادی کی ڈیٹ فائنل کرنے۔“ سکندر صاحب نے بات شروع کی۔

”بابا! میں آپ کو بتا چکا ہوں مجھے فارہ سے شادی نہیں کرنی۔ کوئی زبردستی ہے کیا۔“ وہ چڑا۔
”کچھ ایسا ہی سمجھ لو۔ ویسے بھی میں نے تمہیں یہاں اپنا فائنل ڈیزائن بتانے کو بلایا ہے نہ کہ تم سے سچیشنز سننے کو۔“

مسز سکندر انہیں رمشا کی آمد کا بتا چکی تھیں اسی لیے وہ ڈیسا ہیڈ کر چکے تھے آخر کو ان کی اپنی بیٹی بھی اسی گھر میں تھی۔

”دس ازناٹ فیمز۔ بابا۔“

”دس از فیمز۔ مائی سن۔“

”آئی ڈونٹ لائیک ہر ایز آوائف۔“ اس نے صاف لفظوں میں کہا۔

”ٹرائی ٹوانڈر شینڈ۔ پلیز۔“

”آئی تھنک یونیڈ ٹوانڈر شینڈ۔“ وہ بولے۔

”stop“ انہوں نے عائشہ کو مزید بولنے سے روکا۔ ”آئی ایم یور فادرناٹ یوسوائس فائنل۔“

سکندر صاحب نے فیصلہ سنایا۔

”یومیگوناؤ۔“ انہوں نے بات ختم کی۔

عائشہ غصے سے واپس روم میں آیا۔ ٹیبل کولات ماری۔

”شٹ۔ اب کیا کروں یار۔“

بالوں کو مٹھی میں جکڑا۔ پاگلوں کی طرح یہاں وہاں چکر کاٹتے ہوئے اس سب کا حل سوچنے لگا۔

پندرہ، بیس منٹ بعد وہ مطمئن سا کاؤچ پر بیٹھا جیسے حل مل گیا ہو۔



رمشا جیسے ہی سرخ چہرہ لیے کچن میں اینٹر ہوئی فارہ کی نظر اس پر پڑی۔

”اوائے ہوئے بڑی لائیں شائیں مار رہی ہیں خیریت؟ بھائی کمرے میں ہیں کیا۔“ فارہ نے آنکھ میچتے ہوئے اس کے سرخ چہرے کو دیکھ کر شرارت سے کہا۔

”کچھ شرم کرو فارہ۔ تمہاری شادی ہوگی تو پوچھوں گی تم سے۔“

”کیوں شادی کے بعد منہ لال لال ٹماڑ ہو جاتا ہے کیا؟“ فارہ نے انتہائی معصومیت سے پوچھا۔

”بے شرم بھائی کی بے شرم بہن۔“ رمشانے دل کی بھڑاس نکالی۔

فارہ نے قہقہہ مارا۔

”میں ابھی بھائی کو بتاتی ہوں جا کر کے آپ انہیں۔“

”کون۔ کس کو۔ کیا بتا رہا ہے بھی۔“ فائز دروازے میں نمودار ہوا۔ اس کی بات سن چکا تھا شاید۔

”بھائی ائی۔ وہ۔ وہ۔ نہ۔ بھائی بھی۔“ فارہ نے جان بوجھ کر الفاظ کھینچے۔

رمشانے اس پر گھوری ڈالی۔

”فارہ اتنی رات ہو چکی ہے سونا نہیں ہے کیا؟“

”بھائی! آپ نے نہیں سونا کیا؟“ وہ بھی فارہ جی ادھار کیسے رکھتی۔ ”اوووو، ہاں آپ تو شادی شدہ ہیں ناں۔ اس لیے لیٹ ٹائٹ؟“

فارہ روانی میں کچھ غلط بول گئی تھی۔ اسے احساس فائز کو لگنے والے اچھو سے ہوا۔ زبان دانتوں تلے دبا کر وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ فائز ہستا ہوا رمشا کی طرف بڑھا۔

”تم سے غفلت تو میری بہن ہے۔“ اسے حصار میں قید کیا۔

”فائز! یہ کیا کر رہے ہیں۔ پلیز چھوڑیں۔ کوئی آجائے گا۔“

”آنے دو۔“ فائز نے اس کے کندھے پر ٹھوڑی لٹکائی۔

”فائز! یہ کچن ہے۔“

”میرے گھر کا۔“ وہ پھونک سے اس کی لٹ اڑا رہا تھا۔

”فائز۔ چھوڑیں نا۔“

”کیا کہہ رہی تھی فارہ سے، میں بے شرم ہوں؟“

”کیا نہیں ہیں؟“ سوال ہوا۔

”ہوں۔ بالکل ہوں لیکن تم میری معصوم بہن کو بھی اسی کیٹگری میں لے آئی۔ دس ازناٹ فیئر ڈارلنگ۔“

اب وہ اس کی لٹ کو انگلی پر لپیٹ رہا تھا۔

”ہٹیں پیچھے۔“ رمشانے جھٹکا دیا۔ ”چائے بنانے دیں مجھے۔ ایک تو میں آپ کے ہر وقت کے رومانس

سے تنگ آچکی ہوں فائز۔“ رمشانے اکتا کر اونچی اور غصیلی آواز میں کہا۔

وہ بات غلط لہجے میں کر گئی تھی۔ فائز پیچھے ہٹا۔

”تم تنگ آچکی ہو مجھ سے۔“ عجیب سے انداز میں پوچھا۔

”میرا۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا فائز۔“

”میں جانتا ہوں تمہارا مطلب۔“ وہ بھڑکا اور غصے سے لکھتا چلا گیا۔

”لو جی۔ جناب ناراض ہو گئے ہیں۔“ وہ ہنسی۔ ”اب منانا پڑے گا۔“

فائز کو منانا اس کے لے بالکل مشکل نہ تھا۔



عائش اس وقت لاہور ایئر پورٹ پر دعویٰ فلائیٹ کی اناؤنسمنٹ کے انتظار میں بیزار سا بیٹھا تھا۔

وہ امریکہ بھی جاسکتا تھا لیکن وہاں گھر والے پہنچ سکتے تھے اس لیے اس نے دعویٰ کا انتخاب کیا تھا۔ اسجد کے

پاس۔

عائش اور اسجد امریکہ ایک ہی مقصد سے گئے تھے Business Administration کی ڈگری

لینے۔ عائش پاکستان سے جبکہ اسجد دعویٰ سے بیلاگ کرتا تھا۔ دونوں کلاس فیلوز اور روم میٹس تھے اور سب سے

بڑھ کر ہم مذہب بھی۔ ان کی دوستی وقت کیساتھ گہری ہوتی چلی گئی۔ اس لیے عائش نے ان حالات میں اسجد کو

ترجیح دی تھی۔



”فائز۔“ رمشانے پکارا۔

وہ رخ موڑے خاموش رہا۔

”فائز۔ مجھے نیند نہیں آرہی۔“

”تو میں کیا کروں؟“ ترخ کر جواب دیا۔

”وہی جو روز کرتے ہیں۔“ رمشانے یاد دہانی کرائی۔

”میں نے ٹھیکہ نہیں لیا تمہیں سلا نے کا۔“

”فائز! خفا ہیں؟“

”نہیں ہونا چاہئے؟“ فائز نے منہ اس کی جانب کیا۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا فائز جو..... آپ سمجھے۔“ وہ ہکلائی۔

وہ ابھی بھی خفا رہا۔

”اچھا ناں۔ سوری۔“ اس نے کان پکڑے۔

”دھنگلی ختم کریں ناں فائز پلیز زرز۔“ مصومیت سے اصرار ہوا۔ فائز اسی مصومیت پر ہی تو جان دیتا تھا۔

”بہت چالاک ہو تم۔ سارے ٹریکس آتے ہیں مجھے قابو کرنے کے۔“ اس نے رمشا کو اپنی طرف کھینچا۔

رمشانے مسکرا کر سر اس کے سینے پر رکھا اور آنکھیں میچ لیں۔ فائز اس کی حرکت پر مسکرایا، جھک کر ماتھے پر

بوسہ دیا۔ گڈ نائٹ کہا اور خود بھی آنکھیں بند کر لیں۔



”عائش بیٹا! تم بھی ساتھ چلتے ہمارے۔ وہ تمہارے چچائی کا گھر ہے کسی غیر کا نہیں۔“ مسز سکندر عائش

سے بولیں جو اس وقت چیمبل سرچنگ میں مصروف تھا۔

”ممی پلیز۔ آپ لوگ ڈیٹ فکس کرنے جا رہے ہیں بارات لے کر نہیں جو میرا جانا ضروری ہو۔“ وہ اکتایا۔

”رامش بھی نہیں آیا چھٹیوں کا مسئلہ تھا اور تم بھی کوئی انٹرسٹ نہیں لے رہے۔“ مسز سکندر افسردہ ہوئیں۔

ان کے آخری بیٹے کی شادی تھی اور وہ بہت دھوم دھام سے کرنا چاہتی تھیں۔

اچھاناں۔ پریشان کیوں ہوتی ہیں آپ بھی تو اپنے دیور کے گھر جا رہی ہیں۔ کسی غیر کے نہیں۔“ عائش نے انہیں کی بات لوٹائی۔ ”ویسے بھی آپ کی لاڈلی بیٹی ہے نا وہاں۔ فساد کی جڑ۔“ عائش نے منہ بگاڑا۔
 ”عائش۔“ وہ مسکرائیں۔

ماں بیٹے کی گفتگو جاری تھی۔

”بیگم صاحبہ! اگر بیٹے کے ساتھ میٹنگ ہوگئی ہو تو چلیں۔“ سکندر صاحب لاؤنج میں داخل ہوئے۔

”جی چلیں۔ یہ تو مان نہیں رہا جانے کو۔“

”کیوں بر خودار۔ چلے چلتے تم بھی۔“

”نہیں۔ آپ لوگ جائیں میں جا کر کیا کروں گا۔ ویسے بھی یہ آپ ہی کا فیصلہ ہے میں مان چکا ہوں اس شادی کے لیے کیا یہ کافی نہیں؟“ وہ روڈ ہوا۔

”او کے ایز یوش۔“ سکندر صاحب بولے اور دونوں میاں بیوی چلے گئے۔ عائش پھر سے چائیل سرچنگ میں مصروف ہو گیا۔



سجاد ہاؤس میں خوشگوار ماحول میں ڈنر کیا گیا۔ ڈنر کے بعد چائے کا دور چلا اور ساتھ ہی ڈیٹ بھی ڈیسا لیا کر لی گئی۔

آج سے پچیس دن بعد۔

”رمشا بیٹا! منہ میٹھا کرو! سب کا۔“ راحیلہ بیگم بولیں۔

”جی چچی۔“

رمشا سب کو مٹھائی کھلا کر کچن میں گئی جہاں فارہ اپنے لیے کافی بنا رہی تھی۔

”مبارک! جی مبارک!۔ میری بنو بنے گی دلہنیا۔“ وہ لہک لہک کر گانے لگی۔

”بڑی خوش ہیں مجھے یہاں سے نکال کر۔“ فارہ مسکرائی

”خوش کیوں نہ ہوں بھئی۔ میں راج کرنے کا سوچ کر یہاں آئی تھی پر تمہاری موجودگی میں یہ ناممکن تھا۔“

میری دیرینہ خواہش پوری ہو رہی ہے تو خوش کیوں نہ ہوں۔ میرا دل تو ناچنے کو چاہ رہا ہے۔“ اس نے فارہ کو چڑایا۔

”تو ناچیں۔ روکا کس نے ہے۔“ فارہ واقعی چڑی۔

”ہاااااا ہائے میری بنو تو۔“ رمشا کی بات منہ ہی میں رہ گئی کیونکہ فارہ رونا شروع ہو چکی تھی۔

”ارے۔ ارے۔ ارے۔ ارے۔“ فارہ جان۔ کیا ہوا؟“ وہ جلدی سے پاس آئی۔

”بھابھی۔“ وہ رمشا کے گلے لگ کر رونے لگی۔ رمشا بجائے اسے چپ کرانے کے خود بھی شروع ہو گئی۔

فائز جو پانی لینے آیا تھا یہ ایسوشنل سین دیکھ کر ٹھٹکا۔

”آااااا ہم۔ کیا ہو رہا ہے یہاں؟ یہ بن بادل برسات کیوں؟“

وہ دونوں ہنوز مصروف رہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ دھاڑیں مارنا شروع ہوتیں فائز نے دونوں کو الگ کیا۔

”کم آن فارہ۔“ اس نے فارہ کو کندھے سے لگایا۔ ”فارہ۔ بیٹا تم کون سا دور جا رہی ہو۔ یہیں تو ہوگی۔ سو

ڈونٹ وری جان۔“

فائز نے بہن کے آنسو پونچھیں سر پر بوسہ دیا۔

”چلو منہ دھو جا کر۔ شاہاں ہری اپ۔“

فارہ سر ہلاتی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

”اور آپ۔“ وہ رمشا کی طرف مڑا جو سرخ ناک رگڑ رہی تھی۔ ”آپ کے لیے بھی یہ کندھا حاضر ہے۔

جناب۔“ سرخم کرتے ہوئے رمشا کو چھیڑا۔ رمشانے فائز کے کندھے پر بیچ مارا اور مسکراتی ہوئی لاؤنج میں چلی

گئی۔



رمشانے عائشہ کو فون پر مبارک باد دی ڈیٹ فائل ہونے کی۔

”جناب کیسا فیل ہو رہا ہے۔ ان شاء اللہ ٹھیک پچیس دن بعد آپ جناب دلہا بننے والے ہیں۔“ وہ شوخ

ہوئی۔

”نارمل۔“ عائش نے ٹکاسا جواب دیا۔

”عائش! تم بھی نہ بہت بور ہو۔ پتہ نہیں میری بیچاری سی سند+ بھابھی کا کیا ہوگا؟“

”تو اپنے پاس سنبھال کر رکھو اپنی بیچاری سی نند + بھابھی کو۔“ عائشہ نے دل کی بات کی۔

”ادوف میں نے سوچا تم خوش ہو گے اسی لیے فون کیا لیکن تم الٹا دل جلا رہے ہو میرا۔“

”میں خوش ہوں۔ بہت۔ بلکہ بہت زیادہ۔ اب کیا پورے لاہور میں پوسٹر لگواؤں خوشی سے۔ اس بات

کے؟“

”تم سے بات کرنا ہی فضول ہے میں ہی بیوقوف تھی جو ایسے فون کیا۔“

”تھینک گاڑ۔ تم مانی تو سہی۔“ وہ ہنسا۔

”کیا؟“ رمشا حیران ہوئی۔

”یہی کہ۔ بیوقوف ہو۔“

”عائا کشش“

”بابا بابا۔“ اس نے جیسے ہوئے کال کاٹ دی۔ وہ اس وقت ریلیکس تھا کیونکہ پلان تو وہ کرچکا تھا اب

تو صرف عمل باقی تھا۔



دینی فلائیت کی اناؤنسمنٹ ہو چکی تھی۔

عائش بھاری دل کے ساتھ اٹھا، اپنا مختصر سا سامان اٹھایا اور اندر کی جانب بڑھا۔ اس کی چال میں وہ سر

مستی، وہ خوشی نہ تھی جو اپنی مرضی کرنے پر ہوتی ہے۔

شاید وہ افسردہ تھا یا پھر بے سکون۔ اسے بے سکون ہونا چاہیے تھا کیونکہ ”دوسروں کو بے سکون کرنے والے

یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ وہ خود سکون سے رہ پائیں گے۔“

ابھی تو شروعات تھیں۔



رمشا، عائش اور فارہ کو جگانے ان کے روم کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھلا دیکھ کر وہ حیران ہوتی اندر داخل ہوئی۔

یہ کیا؟..... فارہ زمین پر بیڈ سے ٹیک لگائے گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی۔ رمشا کو کسی انہونی کا احساس ہوا۔ وہ بھاگتی ہوئی پاس آئی۔

”فارہ..... فارہ..... کیا ہوا ہے؟ عائش کدھر ہے۔ فارہ۔“ اس نے فارہ کو جھنجھوڑا۔ فارہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

”فارہ۔“ رمشا نے اس کا سراو پراٹھایا۔

اس کا دل دھڑک اٹھا۔ یہ حالت تو ایک رات کی دلہن کی نہیں ہوتی۔ سوچی آنکھیں، سرخ ناک، کانپتے ہونٹ، بکھرے بال۔

”او ولف۔ فا۔ فا۔ رو۔ گک۔ کیا ہوا ہے؟ فارہ۔ عائش کدھر ہے۔ فارہ بولونا۔ کدھر ہے وہ۔“ رمشا نے اسے بلایا۔

”چلا گیا۔“

”کدھر چلا گیا۔“

”پتہ نہیں۔“ فارہ کی بھاری مدھم آواز آئی۔

”پتہ نہیں؟ کہاں گیا؟ کچھ بتایا نہیں اس نے اور تم۔ تم اس طرح۔ کیا ہوا ہے بتاؤ۔ میرا دل رک رہا ہے۔“ وہ روہانسی ہوئی۔

”آپ کو پتہ ہوگا؟ کدھر گیا۔“

”مجھے۔ مجھے کیسے پتہ۔ فارہ۔“

رمشا کی نظر فارہ کے دوپٹے کے نیچے پڑے کاغذات پر پڑی۔ اس نے جلدی سے پھیرا اٹھائے۔

”یہ۔ یہ کیا ہے۔“

”میرا منہ دکھائی کا گفٹ۔“ فارہ استہزایا ہنسی۔

”گفٹ۔ کس۔ کس نے دیا؟“ وہ انکی۔

”کون دے سکتا ہے بھابھی۔ یقیناً یہ حق آپ کے بھائی کے ہی پاس تھا۔“

”عائش نے۔ وہ کیسے۔ یہ۔ سب؟“

فارہ اٹھی۔ اب وہاں بیٹھنے کا کوئی جواز نہیں بچا تھا۔ دوپٹا اٹھایا اور باہر کی جانب بڑھی۔

”فارہ۔ رکو۔ کہاں جا رہی ہو۔ فارہ۔ فارہ رکو۔ پلیز فارہ۔“ رمشا اس کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں پھلانگ رہی

تھی۔

”فارہ۔ فارہ پلیز رکو۔“ رمشا نے راستہ روکا۔

”بھابھی! پلیز مجھے جانے دیں۔ آپ کا بھائی مجھ سے یہاں رکنے کا حق چھین چکا ہے۔“

اور روتی ہوئی دروازہ پار کر گئی۔ رمشا ساکت تھی۔

طوفان آچکا تھا۔



فارہ کیسے گھر پہنچی۔ وہ نہیں جانتی۔

لاؤنج خالی تھا۔ شاید۔ وہاں کے کمین کل کی محکم اتار کر ابھی اٹھے نہیں تھے۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بھاگی

جہاں سے وہ کل رخصت ہوئی تھی۔ ہمیشہ کے لیے۔ لیکن اس کی قسمت اسے ایک دن میں ہی واپس لے آئی

تھی۔

ہائے یہ قسمت

بے وفا وقت تھا، تم تھے، یا مقدر میرا

بات اتنی ہے کہ انجام جدائی نکلا



عائش نے ڈیٹ فائل ہونے کے بعد ان پچیس دن میں ہی اپنے پلان کو پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا۔ اس نے

انہیں چند دنوں میں فارہ کو چار فون کالز کیں۔

وہ جانتا تھا فارہ ڈرپوک اور کم ہمت ہے اس لیے اس نے اسے دھمکانے کا پروگرام بنایا تھا۔ سب فون کالز میں اس نے فارہ کو بالکل نارمل انداز میں ڈرایا، دھمکایا۔
کہ۔

وہ شادی سے انکار کر دے کیونکہ وہ اسے خوش نہیں رکھ سکتا، شادی ہونے کی صورت میں نتائج کی ذمہ دار وہ خود ہوگی وغیرہ۔ اور وہ ریلکس تھا کہ فارہ ضرور انکار کر دے گی۔
دوسری طرف۔

فارہ عائش کی فون کالز سے پریشان تھی کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔
عائش کو اگر کوئی ایٹھ ہے تو وہ بتایا جان اور تکی ماں سے شیئر کرے۔
مجھے کیوں تنگ کر رہا ہے۔

میں کس سے شیئر کروں یہ سب۔ اللہ جی۔ کیا کروں میں۔
بھابھی سے۔ نہیں۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوتی تو وہ خود بتا دیتیں
تو پھر۔ کیا کروں۔

امی یا بھائی۔

نہیں۔ مجھے کسی سے کچھ شیئر نہیں کرنا۔ عائش اپنا مسئلہ خود حل کرے اگر اسے کوئی مسئلہ ہے اس شادی کو لے
کر۔ اس کا دل بچا۔

کیا عائش کسی اور کو پسند کرتا ہے۔ نہیں۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ وہ خود انکار کر دیتا۔ اس بات پر تو پھر۔ ہو
سکتا ہے بھابھی کی وجہ سے چپ ہو اور اب مجھ سے انکار کروانا چاہ رہا ہوتا کہ اس کا مسئلہ بھی حل ہو جائے اور کوئی
دوسرا ایٹھ بھی نہ کھڑا ہو۔

نہیں ہرگز نہیں۔ عائش۔ میں بالکل بھی انکار نہیں کروں گی۔ اپنا پرالیم خود حل کریں۔ مرد ہیں آپ اور میں
لڑکی کیا وجہ دوں گی انکار کی۔ نو۔ نور۔ عائش۔
میں انکار نہیں کر سکتی

وہ عائش سے ہمسکا نہ تھی۔

اصل میں قارہ کے انکار نہ کرنے کی تین ریزن تھیں۔

ایک۔ ماں باپ کی عزت

دو۔ بھائی بھابھی کا گھر

تین۔ اس کے دل میں موجود محبت کا چور

جو نجانے کب سے دل میں برا بھلا تھا۔

وہ جانتی نہ تھی کہ یہ دل کا چور اس کی بربادی لانے والا ہے۔ ورنہ شاید۔

بہت دشوار ہوتا ہے کسی کو یوں بھلا دینا

کہ جب وہ جذب ہو جائے رگوں میں خون کی مانند



رمشا ساکت کھڑی تھی۔

مسز سکندر اس کی طرف آئیں۔

”رمشا! اس طرح کیوں کھڑی ہو۔ تم عائش اور قارہ کو جگانے لگی تھی۔ اٹھ گئے وہ دونوں؟“ انہوں نے

دوپٹہ سیٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

”رمشا۔“

اس سے پہلے کہ وہ اس کی خاموشی پر غور کرتیں، سکندر صاحب بھی وہاں آئے۔

”بیگم آج بھوک ہڑتال کروانے کا ارادہ ہے کیا؟ 11 بج چکے ہیں۔“ انہوں نے 11 بجنے کی اطلاع دی۔

مسز سکندر مسکرائیں۔

”را حیلہ کا فون آیا تھا ابھی۔ وہ لوگ ناشتہ لا رہے ہیں اس لیے ویٹ کریں تھوڑا۔ ناشتہ سب ساتھ کریں

گے۔ تب تک میں چائے بنواتی ہوں آپ کے لیے۔“

”رمشا۔ بیٹا! اس طرح کیوں کھڑی ہو۔ کیا ہوا؟“ سکندر صاحب نے پوچھا۔

”بابا۔“ رمشا باپ کے گلے لگ کر رونے لگی۔

”ارے رمشا! کیا ہوا۔ تم عائشہ لوگوں کو جگانے لگی تھی ناں۔“ اس کے رونے سے مسز سکندر بھی پریشان ہوئی۔

”بابا۔ بابا عائشہ چلا گیا۔“

”عائشہ چلا گیا۔ کہاں۔؟“ انہوں نے رمشا کو خود سے الگ کیا۔

”بولو۔ رمشا کہاں گیا میرا بچہ۔“ مسز سکندر بولیں۔

”فارہ کہاں ہے؟“ سکندر صاحب نے سوال کیا جیسے وہ کچھ جان گئے ہوں۔

”وہ بھی چلی گئی۔“

”چلی گئی؟ رمشا بول گیا ہوا ہے؟ کہاں گئے وہ دونوں؟“ مسز سکندر دل پر ہاتھ رکھ کر چیخیں۔

”عائشہ۔ عائشہ نے فارہ کو طلا۔ ق دے دی ہے امی۔“ وہ دھماکہ کر چکی۔

”طلاق دے دی ہے اس نے۔“ وہ زار و قطار رونے لگی۔

سکندر صاحب جانتے تھے وہ جو آسانی سے مان گیا ہے شادی کے لیے ضرور کچھ کرے گا مگر طلاق۔ اتنا بڑا

قدم ان کا بیٹا اٹھائے گا یہ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ وہ سرخ آنکھیں لیے ساکت تھے۔

شور سن کر رامش اور اس کی بیوی بھی لاؤنج میں آچکے تھے۔

”کیا ہوا ہے؟“ رامش بولا۔

”بھائی۔ عائشہ نے فارہ کو ڈائورس دے دی ہے۔“ رمشا نے اطلاع دی۔

”واٹ.....؟“

شرہ نے ساس کو پکڑ کر صوفے پر بٹھایا جو گرنے والی تھیں۔

”یہ کیا کہہ رہی ہو رمشا۔ کہاں ہے عائشہ؟“ رامش صدمے سے بولا۔

”وہ چلا گیا ہے گھر چھوڑ کر۔ کہاں گیا؟۔ پتہ نہیں۔ اور فارہ بھی چلی گئی واپس۔ میں نے روکا بھی اسے پر

وہ۔“ رمشا نے روتے ہوئے ٹوٹے الفاظ میں تفصیلاً جواب دیا۔

”بابا۔ آپ پلیز بیٹھیں۔“ رامش نے باپ سے کہا جو ہونٹ بھیجنے کھڑے تھے۔
 ”رامش۔ اسے کال کرو۔“ وہ مدھم سا بولے۔
 ”جی۔ کرتا ہوں۔“

ایک۔ دو۔ تین۔ چار بار۔ بار بار کال کی مگر اس کا سیل سوچ آف تھا۔
 ”موہائل آف ہے اس کا۔“ رامش نے بتایا۔

”آج تو ریپشن ہے؟۔ اب.....“ ثمرہ (مسز رامش) بولی۔
 ”رامش۔ فون کر کے کہہ دو سب کو کہ ولیمہ کینسل ہو گیا ہے۔“ سکندر صاحب ہلکی آواز میں بولے۔
 ”اور ریزن۔ ریزن کیا دوں؟“ رامش کھٹکھٹ میں تھا۔

عائش نے کس دور اپنے پر لاکھڑا کیا تھا سب کو۔
 ”کہہ دو سب سے۔ عائش مر چکا ہے۔“ سکندر صاحب دھاڑے
 وہاں موت کا ساناٹا تھا۔

وابستہ ہو گئی تھیں کچھ امیدیں آپ سے
 امیدوں کا چراغ بجھانے کا شکریہ



”فائز بیٹا! جلدی کرو بہت ٹائم ہو چکا ہے۔ وہ لوگ انتظار کر رہے ہوں گے ہمارا۔“ راحیلہ بولیں۔
 ”جی چلیں۔ آئی ایم ریڈی سویٹ ہارٹ آف مائے ڈیڈ۔“ فائز نے ماں کو چھیڑا۔

”تم نہیں سدھرو گے فائز۔ میں سوچ رہی تھی شادی کے بعد پرتم تو بیٹی کے بعد بھی نہیں سدھرے۔“ انہوں
 نے خفگی دکھائی۔

”سدھر کر کیا کروں گا ڈیئر لیڈی۔“ ماں کے گلے میں ہاتھیں ڈالیں۔
 ”فائز۔“

”اووو ہوو۔ سویٹ لیڈی۔ کیا ڈیڈ نے آپ کی تعریف نہیں کی آج جو خفا خفا سے سرکار نظر آتے ہیں۔“ وہ

بھی فائز تھا ایک کی دس سنٹانے والا۔

”فائز۔“ تنبیہ ہوئی

”او کے سوئی۔“ ماں کے گال پر کس کی۔ ”میں گاڑی نکالتا ہوں آپ ملازم سے کہہ کر سامان بھجوائیں۔“
”ہاں بھیجتی ہوں۔“ راحیلہ بیگم مسکرائیں۔

ان کا بیٹا شادی کے بعد بھی بالکل نہیں بدلا تھا ویسا ہی تھا سب کی عزت اور سب سے محبت کرنے والا۔ خدا
نظر بد سے بچائے۔ انہوں نے دل میں دعا کی۔ کچھ دیر بعد یہ قافلہ سکندرولا کی طرف چل پڑا یہ جانے بغیر کے
جس کے لیے وہ یہ سب لے جا رہے ہیں وہ تو وہاں موجود ہی نہیں۔



شادی میں تین دن باقی تھے اور فارہ کی طرف سے ہنوز خاموشی تھی۔ عائش حیران و پریشان تھا اس دو فارہ
کی ہمت پر۔

”نان سنس۔ اسٹوپڈ۔ بہادری دیکھو میڈم کی۔ مجھے چیونچ کر رہی ہے۔ مجھے۔“ وہ استہزایا ہنسا۔ ”فارہ
بیگم، بہت مہنگا پڑنے والا ہے تمہیں یہ چیونچ۔“

پھر ہنسا کسی کا مذاق اڑاتی ہنسی سے۔ منہ کی کھلانے والے منہ کی کھاتے بھی ہیں وہ شاید یہ بھول چکا تھا۔ اسی
لیے خوش تھا۔ عائش نے اسی دن لائبر سے ڈائریوں سے پیپرز تیار کروائے اور دینی کی سیٹ بک کروائی۔ بہت
رازداری سے۔



”اسلام علیکم! ایوری ون۔“ فائز کی فریش آواز سنائی دی۔ رمشا جلدی سے سر جھکا کر پاس سے گزر کر کچن
میں چلی گئی۔

”ہیں۔ یہ کیسا دیکھ کیا مسز۔“ وہ حیران سا خود سے بولا۔

پچھپے ہی سجاد اور راحیلہ بیگم داخل ہوئے سلام دعا کے بعد بیٹھے ہی تھے کہ فائز بولا۔ ”عائش اور فارہ نظر نہیں آ
رہے۔ اٹھے نہیں ابھی تک؟“

لاؤنج میں عجیب سی سوگواریت تھی جسے فائز محسوس کر چکا تھا۔

”از ایوری تھنگ اوکے تائیا جان؟“ وہ سوالیہ ہوا۔

”ہاں۔ ہاں۔ اوکے۔“ رامش کی طرف سے جواب آیا۔

اب کے سجاد اور راحیلہ بھی ٹھک چکے تھے اس خاموشی سے۔

”کیا ہوا بھائی صاحب۔ طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟“ سجاد نے بھائی کی خاموشی دیکھ کر پوچھا۔

”آں۔ ہاں۔“ وہ چونکے۔ ”ہاں۔ زندہ ہوں۔“ وہ شکستہ سا بولے۔

”کیا ہوا ہے رامش! کچھ بتاؤ گے۔“ فائز کھڑا ہوا۔ رمشا بھی لاؤنج میں واپس آگئی تھی۔

”تم بیٹھو یار۔“ رامش بولا۔

”میری بہن کہاں ہے؟“ وہ دھاڑا۔ بہت زیادہ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا اسے۔

”فائز۔“ سجاد صاحب نے اس کے انداز پر اس کی سرزنش کی۔

”ڈیڈ۔ پلیز۔ یہ لوگ ہٹا کیوں نہیں رہے۔ آخر ہوا کیا ہے؟“ وہ زنج ہوا۔

”عائش نے فارہ کو ڈائیورس دے دی ہے۔“ رامش نے دھاکہ کیا۔

”واٹ.....؟“

راحیلہ بیگم نے دل پکڑ لیا۔

”فارہ کہاں ہے۔“ سجاد بولے۔

”عائش۔ عائش۔ کدھر ہے وہ بے غیرت۔“ فائز آؤٹ آف کنٹرول ہوا۔ جیسے اس کے کانوں میں صور

اسرافیل پھونکا گیا ہو۔

”ریلیکس۔“ رامش نے اس کے کندھے پر تسلی کے انداز میں ہاتھ رکھا جو اس نے زور سے جھٹکا۔

”کہاں ہے وہ بزدل، نامرد۔ زندہ نہیں چھوڑوں گا میں اسے۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی میری معصوم بہن کو

برباد کرنے کی۔“ وہ بلند آواز میں دھاڑ رہا تھا۔

رمشا دور کھڑی کانپ رہی تھی۔ اس نے فائز کو اتنے غصے میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہاتھوں کی مٹھی جکڑی

ہوئی، ہونٹ بھیچنے، لہو رنگ آنکھیں۔ اس نے فائز کی آنکھیں دیکھ کر جھرجھری لی جیسے ابھی ان سے خون ٹپک پڑے گا۔

”میں کچھ بکواس کر رہا ہوں۔ اگر آپ لوگوں نے سنا ہو۔“ فائز جھنجھلایا۔
راحیلہ رو رہی تھیں اور سجاد وہ لٹے پٹے سے بیٹھے تھے جیسے وہاں موجود ہی نہ ہوں۔
”وہ۔ وہ۔ واپس گھ۔ گھر چلی گئی ہے۔“ رمشا نے انک انک کر جواب دیا۔
فائز رمشا کے بولنے پر اس کی طرف متوجہ ہوا۔
رمشا..... عائش کی بہن۔
اس کے دماغ میں جھماکا ہوا۔



فارہ اس وقت اونڈھے منہ بیڈ پر پڑی زار و قطار ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر کوئی اجنبی بھی پسچ جاتا اور عائش۔ کیا وہ ایک پتھر دل انسان تھا جسے ذرا بھی رحم نہ آیا اس معصوم پر۔ جو نجانے کب سے اس کی محبت میں مبتلا تھی اور وہ اس کی محبت کو ٹھوکر مار گیا۔

آہ۔ یہ۔ محبت
تمہاری زندگی سے میں
بہت سے فاصلے لے کر
تمہیں بس اتنا کہتی ہوں
کسی کو زندگی سے
اس طرح رخصت نہیں کرتے
کہ مجھ کو زندگی سے جس طرح
تم نے نکالا ہے



اجد آفس میں بڑی تھا، ایکسٹینشن بجا۔

”یس؟“

”سر! کوئی عائش سکندر صاحب آئے ہیں پاکستان سے، آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”عائش؟“

”یس سر۔ عائش سکندر۔“

”او کے بھیجو آفس میں۔“

”جی سر۔“

”عائش اچانک بناتا ہے۔“ اجد پریشان ہوا۔

دروزہ کھلا۔ عائش کو صحیح سلامت دیکھ کر جان میں جان آئی۔

”اے اوڈنیرنگ کیسے تو؟“ اجد اپنی جون میں آتا ہوا اس کی جانب بڑھا۔

عائش مسکرایا اس خطاب پر۔

”اے یار واٹ آپلیزنٹ سر پرانیز۔ دل خوش کر دیا۔ مووں۔ آہ۔“ ہوائی کس اچھالی اور گلے لگ گیا۔

”کیسا ہے؟“ عائش بولا۔

”ایز یو بھل فٹ۔“ فریش سا جواب آیا۔ ”تو سنا کیسے اینٹری ماری۔ ایوری تھنگ گڈ؟“

”یاہ۔ گڈ۔“ عائش آہستہ سا بولا

”او کے۔ تو بیٹھے جناب آپ کا ہی آفس ہے ویسے اتنا اچانک کیسے آیا؟“ اجد کو ہضم نہیں ہو رہا تھا اس کا

اچانک آنا۔

”تو چلا جاؤں کیا؟“ عائش چڑا۔ ایک ہی بات سے اچانک۔

”اوئے ہینڈسم۔ ناراض کیوں ہوتا ہے؟۔ جانی، میں تو ایویں چھیڑ رہا تھا تجھے۔“ وہ ہنسا۔

”اچھا پہلے چائے پانی۔ پھر اور بات۔“ وہ میزبان بنا۔

”چائے۔“ جواب آیا۔

”او کے۔“ اسجد نے چائے کا کہا۔

”ہاں تو اب بتاتی اچانک؟“

عائش گھوری ڈال کر کھڑا ہوا۔

”میں جا رہا ہوں اوکے بائے۔“ اور دروازے کی جانب بڑھا۔

”ہاہاہاہاہا۔“ اسجد کا چھت پھاڑ قہقہہ بلند ہوا۔

”میں دانت توڑ دوں گا تیرے۔ سارے۔“ عائش چلایا۔

”میری کوئی بہن نہیں ہے۔ ہا ہا ہا۔“ وہ پھر سے ہنسا۔

عائش تھک کر خود ہی صوفے پر بیٹھا وہ حائما تھا اسد کمینہ ابن کمینہ ہے۔

اسجد جب دل کھول کر ہنس چکا تو بولا۔

”یار! بات شروع ہی یہاں سے ہوتی ہے اب میں کیا کروں؟“ مسکین سی شکل بنائی۔

”میں نہیں آسکتا کیا تیرے پاس جو ایک ہی بجواس کے حارہا ہے۔“ عائش روڈ ہوا۔

”غصہ کیوں ہوتا ہے جانی؟“ کسا ساتھ والی سٹ پر کوئی مائی بی بی تھی۔ ”اسعد نے آنکھ ماری۔“

”میں ہی پاگل تھا جو یہاں آ گیا۔ تف ہے مجھ پر۔“ ایک وہ پہلے ہی ڈپریس تھا اور باقی کی کسرا سجد پوری کر رہا تھا فضول باتوں سے۔ وہ سچ میں ہانچ رہا تھا۔

”او کے، او کے ریلیکس یا۔ آئی ایم جسٹ جو کنگ۔“ اسجد نے یقین دلا یا۔

اتنے میں چائے آگئی اسجد نے چائے بنا کر دی اور خود کپ لے کر سوچتا ہوا بیٹھا۔ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہے ضرور ورنہ عائش اتنی جلدی اتنا سیریس ہا بھیر نہیں ہوتا۔

عائش اپنی سوچ میں تھا کہ پتہ نہیں گھر میں کیا کچھ ہو چکا ہوگا۔ سب کاری ایکشن کیا ہوگا اس کے اقدام پر۔ اور رمشا۔ اس کا کیا ہوگا۔ کہیں فائز اسے نہیں..... اس سے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ بہت خود غرض واقع ہوا تھا اور وہ یہ بات بہت اچھی طرح جانتا تھا۔



فارہ جب رو رو کر تھک چکی تو اسے لگا جیسے اس کا گلا بند ہو رہا ہو۔ اسے پانی کی ضرورت محسوس ہوئی لیکن کمرے میں پانی موجود نہ تھا۔ وہ خود کو سنبھالتی اٹھی اور بمشکل چلتی ہوئی کچن تک پہنچی۔
 ”پا۔ پانی۔“ وہ انگلی۔

وہاں موجود ملازمہ نے فارہ کو دیکھا تو چیخی۔

”فارہ باجی۔ آپ؟“

”پا۔ پانی۔“

ملازمہ اس کی اجازت حالت دیکھ کر حیران تھی۔ فارہ باجی یہاں کیا کر رہی ہیں؟ کہیں؟

”فا۔ فارہ۔ فارہ باجی۔“ وہ چلائی۔

فارہ زمین بوس ہو چکی تھی۔

چھوڑ جانے کا کوئی دکھ نہیں نقیب
 بس کوئی ایسا تھا جس سے یہ امید نہ تھی



اسے یہاں آئے ہوئے دو دن ہو چکے تھے۔ اس کا موبائل ابھی بھی آف تھا۔ وہ روم کی بالکونی میں گرل پر ہاتھ لگائے جھکا کھڑا تھا۔ وہ خوش نہیں تھا۔ اسے تو خوش ہونا چاہیے تھا پر اس کا دل ابھی بھی پیچھے ہی اٹکا ہوا تھا۔ نجانے اب تک۔

اسجد کی آواز نے اس کا تسلس توڑا۔

”کدھر گم ہے یار۔“ وہ نوٹ کر چکا تھا اس کی پریشانی کو، پر ابھی تک اگلا نہیں سکا تھا۔

”عائش؟“

”ہووں۔“ عائش چوٹکا۔

”کیا بات ہے یار؟ میں دیکھ رہا ہوں تو آپ سیٹ ہے۔ کوئی پریشانی ہے تو شیئر کر۔ میرے خیال میں ہماری دوستی اتنی گہری تو ہے کہ اپنے پر اہل شیئر کر سکیں۔“ اسجد نے سنجیدگی سے کہا۔

”نہیں۔ کوئی پرابلم نہیں۔ تیرا وہم ہے آئی ایم او کے۔“

”تو بتانا نہیں چاہتا یہ اور بات ہے۔ بٹ آئی نوڈیراز سمٹھنگ روٹنگ۔“ اسجد کو افسوس ہوا اس کے نہ بتانے پر۔

عائش خاموش رہا۔ دس منٹ کی خاموشی کو اسی نے ہی توڑا۔

”آئی ڈائیورسڈ فارہ۔“ آہستگی سے ہم پھوڑا۔

”واٹ.....؟“ اسجد اچھلا۔ ”ڈائیورس.....؟۔ شا۔ شادی کب ہوئی؟“ وہ حیران ہوا۔

”پرسوں۔“ پھر دھماکہ کیا۔

”پرسوں۔ یعنی۔ شادی کے اگلے دن ہی ڈائیورس۔“ کیونکہ ویسے کے دن تو وہ دعی پہنچ چکا تھا اسجد کی

پاس۔ ”عائش۔ یہ کیا کیا تو نے؟“

”ڈسکسٹنگ۔“ اس نے گرل پر دمکا مارا۔ ”مجھے تجھ جیسے بندے سے یہ امید نہیں تھی اگر یہی کرنا تھا تو پھر شادی

ہی نہ کرتا۔ کسی معصوم کی زندگی برباد کر دی تو نے۔“ اسے افسوس ہوا۔

”کیا ملا تجھے ہاں۔ بول۔ کیا ملا؟“ اسجد نے غصے سے اسے جھنجھوڑا۔

”اٹس ٹوچ۔ ٹو وچ۔ ٹو وچ۔ ٹو وچ۔“ اس نے اپنے ہال جکڑے۔

عائش شرمندہ سا سر جھکائے کھڑا تھا۔ کیا جواب دیتا۔ کوئی جواب نہیں تھا اس کے پاس اپنی اس چپ حرکت

کا۔

”کیوں دی تو نے ڈائیورس انہیں؟“ اس کی خاموشی پر پھر سے بولا۔

”عائش۔ تیرے سے پوچھ رہا ہوں کیوں دی ڈائیورس؟“

چند منٹ وقفے کے بعد عائش بولا۔

”پتہ نہیں۔“

”واٹ؟ اتنا بڑا قدم تو بغیر کسی وجہ کے اٹھا آیا۔ رینگی دس اپوینٹنگ۔“

”آئی ڈونٹ لائیک ہر ایز آوائف۔ وہ دیوسی، ڈرپوک اور کم اعتماد لڑکی تھی۔ مجھے ایسی لڑکیاں بالکل

اٹریکٹ نہیں کرتیں یونوڈیٹ۔“ وہ بے بسی سے یولا۔

”لیکن اتنی چھوٹی بات پر۔ تجھے کوئی حق نہیں پہنچتا۔ عائشہ کہ تو اس طرح کسی معصوم کے جذبات سے کھیلے اور وہ بھی وہ لڑکی جسے تو بیوی بنا چکا تھا۔“

اسجد کا دل چاہ رہا تھا کہ اسے اوپر سے نیچے پھینک دے۔

”اس کے علاوہ بھی کوئی اور ریزن ہے کیا؟“

اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ عائشہ اتنی چھوٹی بات پر ایسا کرے گا۔

”نہیں۔“

”کوئی اور پسند ہے؟“

”نہیں۔“

”تو پھر؟“

”پتہ نہیں۔“

”کیا وہ پڑھی لکھی نہیں ہے؟“

”ہے۔“

”خوبصورت نہیں ہے؟“

”ہے۔“

”خوب سیرت نہیں ہے؟“

”ہے۔“

وہ ایک ٹرانس میں جواب دے رہا تھا

”تو پھر لعنت ہے تجھ پر۔“ اسجد نے دل کی بھڑاس نکالی۔ ”ذلات کی انتہا ہے یار۔ کہاں ملتی ہے آج کل

ایسی لڑکی اور تو ملی ملائی کو چھوڑ آیا۔ تف ہے تجھ پر۔“

اسجد کو افسوس ہوا۔

”کیا کرتا پھر؟“ عائش بے چارگی سے بولا۔

”تجھے کوئی ایسا تھا تو۔“

”تو تو ویسے ہی آ جاتا چھوڑ کر مگر یہ ڈائیورس۔ یہ نہ دیتا یار۔ واپسی کا کوئی دروازہ تو کھلا رکھتا۔ مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے۔ عائش۔“

وہ واقعی دکھی تھا عائش کی کم عقلی پر۔ عائش بھی یہی سوچ رہا تھا کہ واپسی کا کوئی دروازہ تو کھلا رکھنا چاہیے تھا۔
پر۔ اب۔ اب۔ اب کیا۔ سب کچھ ختم ہو چکا ہے وہ خود سے یہ سوال پوچھ رہا تھا۔
”کیا واقعی سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔“



”رمشا۔ عائش کی بہن۔“ فائز کے دماغ میں جھماکا ہوا۔

”تائی جان۔“ وہ مسز سکندر سے مخاطب ہوا جواب تک خاموش تھیں۔

”آپ کا بیٹا شاید بھول گیا تھا کہ جس لڑکی کو وہ برباد کر رہا ہے انکچولی اس کے ساتھ اس کے کیا کیا رشتے تھے؟“ وہ رمشا کی طرف مڑا۔ رمشا اس کی نظروں سے کانپتی۔

”یا اللہ خیر۔ رحم۔ میرے مالک۔ رحم۔“ وہ زیر لب بڑبڑاتی۔

”کیا۔ کیا مطلب؟“ مسز سکندر ہکلائیں۔

مطلب صاف اور سیدھا ہے تائی جان۔ عائش کی بہن میری بیوی ہے۔“ آرام سے ہم پھینکا۔

”تم۔ تم۔ تم نہیں۔ فائز بیٹا۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔ رمشا تمہاری بیٹی کی ماں ہے۔“ وہ رو دیں۔

”فائز! اس سب میں رمشا کا کیا قصور ہے؟“ رامش بولا۔

”قصور تو میری بہن کا بھی نہیں تھا پھر اس کو کیوں سزا ملی؟“

”تم اس کا بدلہ لو گے؟“ رامش پریشان ہوا۔

”نہیں۔ میں ہر گز تمہارے بھائی جتنا گھٹیا نہیں ہوں اور نہ ہی میری ماں نے میری تربیت ایسی کی ہے

لیکن۔ اتنا اچھا بھی نہیں ہوں۔ جو آسانی سے بھول جاؤں۔ اور ویسے بھی۔“ وہ کچھ اور بھی بولتا کہ سیل وا بھر بیٹ

ہوا۔ گھر کا نمبر دیکھ کر وہ پریشان ہوا۔ جلدی سے کال پک کی۔
”ہیلو۔“

”صا۔ صاحب۔ جی۔ فا۔ فارہ بی بی۔“ وہ ہکلائی۔

”کیا ہوا فارہ کو؟“ وہ چیخا۔

سب متوجہ ہو گئے۔

”وہ بے ہوش ہو گئی ہیں۔“ ملازمہ نے بتایا۔

”اوہ نو۔ تم۔ تم ایسا کرو مجید (ڈرائیور) سے کہو وہ تمہیں اور فارہ کو ہسپتال لے کر پہنچے۔ میں آ رہا ہوں
وہیں۔“ فائز نے اسے ہسپتال کا نام بتایا۔

”جی ٹھیک ہے۔“ وہ بولی۔

”فائز۔ فائز بیٹا! کیا ہوا میری بچی کو۔“ راحیلہ کھڑی ہوئیں۔

”پتہ نہیں۔ بے ہوش ہو گئی ہے ہمیں لگتا ہے۔ چلیں ڈیڈ۔“ وہ باپ سے بولا جو ابھی بھی سر جھکائے بیٹھے
تھے۔

”آں۔ ہاں۔ ہاں چلو۔“ وہ چوٹک کر بولے۔

فائز انہیں لے کر وہاں سے آندھی، طوفان کی طرح نکلا۔ پیچھے سکندر رولا کے مکین رہ گئے۔

”ہمیں بھی چلنا چاہئے۔“ رامش شرمندہ سا بولا۔

”ہاں چلو۔“ سکندر صاحب نے اجازت دی اور وہ سب بھی پیچھے ہی روانہ ہو گئے۔



فائز نے ریسیشن پر پوچھا۔ فارہ ایمر جنسی میں تھی۔ وہ پریشان ہوا فارہ اس کی بہن کم دوست اور بیٹی زیادہ
تھی۔ یا اللہ رحم۔ وہ رو دینے کو تھا۔ اتنے میں رامش لوگ بھی آ گئے۔

”کیا ہوا؟ سب ٹھیک ہے؟“ رامش نے پوچھا۔

فائز جواب دیے بنا ہی ایمر جنسی کی طرف بڑھ گیا۔

”آئی سی یو میں ہے۔“ سجاد صاحب نے جواب دیا۔ وہ سب وہاں موجود قارہ کی تندرستی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔



عائش کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ گھر فون کرے پر ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ وہ کشمکش میں تھا کہ کرے یا نہ کرے۔
 ”اندھیرا کیے کیوں پڑا ہے یار۔ طبیعت ٹھیک ہے؟“ اسجد آفس سے واپسی پر اس کے روم میں آیا۔ عائش ابھی تک اسی کے گھر میں رہ رہا تھا۔
 ”ہاں۔ ٹھیک ہوں۔“ وہ سیدھا ہوا۔
 ملنگہ ساحلیہ تھا اس کا۔

اسجد نے دیکھا دو دن سے وہی کپڑے پہن رکھے تھے اس نے۔ اسے افسوس سا ہوا جلد بازی میں وہ اپنا ہی نقصان کر بیٹھا تھا۔ گھر والوں سے رد پوش رہنا کوئی آسان نہیں تھا اور ویسے بھی وہ پچھلے تین سال سے امریکہ میں تھا اور اب پھر سے یہ تنہائی۔ پر اب کیا ہو سکتا تھا؟
 ”کیا ہوا۔ ایسے کیوں دیکھ رہا ہے؟“ عائش نے اسجد کو خود کی طرف ٹکٹکی سے دیکھتے پا کر پوچھا۔
 ”کچھ نہیں۔“ اسجد نے سر جھٹکا۔
 ”کب تک مجنوں بنے رہنے کا ارادہ ہے۔“ اس نے عائش کے حلیے پر چوٹ کی۔
 ”پتہ نہیں۔“ وہ شکستہ سا بولا۔

”کچھ پتا بھی ہے تجھے جو بھی پوچھو۔ پتہ نہیں۔ پتہ نہیں۔ اس پتہ نہیں کے چکر میں آج تو یہاں اجڑا ہوا بیٹھا ہے۔“

عائش سر جھکائے شرمندہ تھا۔

اسجد جان گیا تھا وہ پچھتا رہا ہے وہ بھی اتنی جلدی اس لیے بات بدلی۔ جو بھی تھا وہ اس کا دوست تھا اور وہ اسے مزید شرمندہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔
 ”باہر نکل اس فیر سے جو ہونا تھا ہو چکا اب آگے کا سوچ۔“

”تو میرے لیے کسی اپارٹمنٹ کا بندوبست کر دے یار۔ مہربانی ہوگی۔ میں کب تک تجھ پر بوجھ بننا ہوں گا۔“ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا عائش۔“

”میں جانتا ہوں یار۔ پراتنی مہمان نوازی کافی ہے۔ تیری فیملی ہے۔ بھائی بھابھیاں ہیں اس لیے اچھا نہیں لگتا۔ سمجھا کر۔“ عائش بولا۔

”اوکے۔ بٹ عائش کسی کو بھی اعتراض نہ ہوتا یار۔“ وہ افسردہ ہوا۔

”آئی نو۔ بٹ پتہ نہیں یار کب تک یہاں ہوں اس لیے کچھ وقت خود کے ساتھ رہ کر آگے کا فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔“

”اوکے۔ فائن۔ میں دیکھتا ہوں اپارٹمنٹ۔ تو ٹینشن نہ لے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ۔“ اسجد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔



ڈاکٹر کو اپنی طرف آتا دیکھ کر قانز آگے بڑھا۔

”ازشی اوکے۔“ وہ جلدی سے بولا۔

”وائس ریلیشن و دپٹمنٹ۔“

”مائی سس۔“ مدھم جواب آیا۔

”ان کا بی، پی خطرناک حد تک شوٹ کر گیا تھا۔ بروقت ٹرینشن کی وجہ سے زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ لیکن یہ سب شدید ڈپریشن کا نتیجہ ہے۔ اتنی سی اتج میں بی، پی کا اتنا زیادہ شوٹ کر جانا اچھا سا سن نہیں۔ اپنی دے۔ ان کو نیند کے انجکشن دے دیئے ہیں۔ کوشش کریں کہ ان کو ٹینشن فری ماحول پرووائڈ ہو۔“

”جی۔“ قانز نے سر جھکایا۔

ڈاکٹر نے تسلی کے انداز میں کندھے پر ہاتھ رکھا اور چلا گیا۔



عائش نے اسجد کی مدد سے فرنشڈ اپارٹمنٹ رینٹ پر لے لیا تھا۔

ابھی کچھ دن ریلیکسیشن کے بعد وہ آگے کی پلاننگ کرنا چاہتا تھا۔ وہ پاکستان سے مختصر سا سامان لایا تھا اور اب شاپنگ کرنا چاہتا تھا اس مقصد کے لیے وہ مال گیا لیکن راستے میں وہ مزید رقم لینے بنک چلا گیا اکاؤنٹ ٹرانسفر کروا چکا تھا وہ۔

اکاؤنٹ کو مطلوبہ رقم بتائی۔

”دیر از نو بیلنس ان یور اکاؤنٹ سر۔“ جواب آیا۔

وہ حیران ہوا۔

”پلیز چیک اٹ اگین۔“

”او کے۔“

”یس سر۔ اس ٹل۔“

”او کے ٹھیکس۔“ وہ باہر آیا۔

یہ کیا ہوا اس کے اکاؤنٹ میں اچھی خاصی رقم موجود تھی۔ پھر اپنے مطلوبہ بنک کال کر کے پوچھا تو جواب آیا۔

”سر! آپ کا اکاؤنٹ دو دن پہلے سیل ہو چکا ہے۔“

”اوہ شٹ۔ بابا آپ نے اکاؤنٹ سیل کروا دیا۔“ وہ باپ سے مخاطب ہوتا پریشان سا واپس اپارٹمنٹ کی طرف چل دیا۔



فارہ کے ہوش میں آنے پر کسی نے اس سے ڈائیسورس سے ریلیٹڈ بات نہیں کی۔

فائز نے سکندر رولا کے مکینوں کو فارہ سے ملنے نہیں دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ فارہ کی طبیعت پھر سے بگڑے۔

وہ گم سم سی تھی۔

ایک دن بعد ڈسچارج ہو کر گھر آگئی تھی مگر خاموشی نہ ٹوٹی تھی اس کی۔

جھوٹی مسکن لیے اپنے غم چھپاتے ہیں
بچی محبت کرنے کی بھی کیا خوب سزا ملی



عائش نے اسجد کی مدد سے جاب تلاش کر لی تھی۔ اسے باپ سے کوئی شکوہ نہ تھا۔ اس کے کیے کے بدلے میں یہ بہت معمولی ری ایکشن تھا ان کا۔

وہ جانتا تھا وہ فارہ کے ساتھ ساتھ گھر والوں کیساتھ بھی برا کر چکا ہے۔ اسی لیے خاموشی سے سہہ رہا تھا۔ وہ گھر فون کر کے وہاں کے حالات ملازم سے معلوم کر چکا تھا۔ وہ یہ جان کر تھوڑا ریلیکس ہوا تھا کہ فائز نے کوئی انتہائی قدم نہیں اٹھایا تھا۔



سجاد ہاؤس میں خاموشی کا راج تھا۔ سب ایک دوسرے سے نظریں چرائے ہوئے تھے۔ طوفان آ کر گزر گیا تھا پر تباہی کے اثرات ابھی بھی موجود تھے۔

سجاد صاحب آج اتنے دن بعد بیٹی کے روم میں جا رہے تھے۔ وہ شکستہ سا تھے۔ وہ جیسے ہی فارہ کے روم میں داخل ہوئے تو اسے نماز میں مشغول دیکھ کر ان کو سکون ملا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کی بیٹی نے جس ذات سے رجوع کیا ہے وہ پاک ذات ضرور صبر دے گی اسے۔ ان شاء اللہ۔



”امی۔ ایک ماہ ہونے والا ہے اور فائز نے پلٹ کر پوچھا بھی نہیں۔“
”انہیں تو آیت کا بھی خیال نہیں جس میں ان کی جان بستی ہے۔“ وہ روہا سی ہوئی۔
”تم پریشان مت ہو سب ٹھیک ہو جائے گا اللہ پر بھروسہ رکھو بیٹا۔“ مسز سکندر نے تسلی دی۔
”امی! کیا کروں چین ہی نہیں مل رہا۔“ وہ رو دینے کو تھی۔ ”فارہ کو بھی دیکھے اتنے دن گزر گئے پتہ نہیں کس حال میں ہوگی۔ وہ۔“

”ہاں۔ فارہ سے تو میں بھی ملنا چاہ رہی ہوں بیٹھے بٹھائے کیسا روگ لگ گیا بچی کو۔ سوچتی ہوں تو دل ہولنا

ہے میرا۔ اللہ صبر دے اسے۔ آمین۔ ماں ہوں۔ عائش کو بددعا بھی نہیں دے سکتی۔ پر معاف بھی نہیں کروں گی۔“ وہ دوپٹہ منہ پر رکھ کر رونے لگی۔

”امی دفعہ کریں۔ اس خود غرض انسان کو جو ہم سب کو شرمندہ کر گیا۔“ وہ آزرده سی تھی۔ ”امی۔ مجھے بتائیں۔ میں کیا اب یہیں رہوں گی۔“

وہ رو دی۔

”اللہ نہ کرے۔ میری جان۔ میں آج ہی سکندر سے بات کرتی ہوں۔“ انہوں نے رمشا کو گلے لگالیا۔ وہ سب فارہ کے لیے صبر مانگ رہے تھے کوئی اس کی آزمائش کے خاتمے کی دعا کیوں نہیں مانگ رہا تھا؟



فارہ ٹیرس پر کھڑی چاند کو دیکھ رہی تھی۔

”یا اللہ! مجھے سکون دے دے۔ عائش۔ آپ نے میرے ساتھ بالکل بھی اچھا نہیں کیا۔ پر یہ کیسی بے بسی ہے کہ میں چاہ کر بھی آپ کو کوئی بددعا نہیں دے پا رہی ہوں۔

کاش۔ کاش کہ آپ جان سکتے..... کہ..... کوئی آپ کو کس قدر چاہتا ہے۔“ اس نے آنسو پونچھے۔

”مم۔ میری۔ میری محبت کی تذلیل تو کی ہی تھی۔ پر۔ میری تسوانیت کی تو ہین نہ کرتے۔ کچھ۔ کچھ تو پردہ رہنے دیتے۔ عائش۔“

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ چاند بھی اس کے دکھ پر دکھی تھا۔

بکھرے گا جب تیرے رخسار پہ تیری آنکھ کا پانی
تجھے احساس تب ہو گا محبت کس کو کہتے ہیں



عائش اس وقت اپنے اپارٹمنٹ کی بالکونی میں افسردہ سا کھڑا تھا۔ اسے یہاں آئے ہوئے پانچ ماہ سے زائد وقت ہو چکا تھا۔ وہ اندر سے بہت ٹوٹ چکا تھا۔ ان چند ماہ میں وہ بہت بچھتا یا تھا اپنے کیے پر۔ وہ کوئی رات سکون سے سو نہیں پایا تھا۔ جب بھی سونے کے لیے آنکھیں بند کرتا۔ فارہ کا معصوم چہرہ اس کا

سکون درہم برہم کر دیتا۔ اس کے کانوں میں فارہ کے الفاظ سرگوشی بن کر گونجنے لگتے۔

”مم۔ میں۔ آپ۔ آپ سے۔ ب۔ بہت محبت کرتی ہوں۔“

فارہ کا اظہار محبت اسے تڑپاتا تھا۔ وہ کانوں پر ہاتھ رکھتا، ٹکیے رکھتا۔ پر۔ پھر بھی یہ گونج صاف سنائی دیتی۔ اس کے شعور، لاشعور میں ہر طرف فارہ ہی فارہ تھی۔

وہ جانتا تھا کہ وہ فارہ کے ساتھ غلط کر چکا ہے۔ جس کی کوئی معافی نہیں۔ پر۔ پھر بھی وہ ہر روز تصور میں فارہ سے معافی مانگتا تھا۔ دوسروں کو بے سکون کرنے والے خود بھی سکون سے نہیں رہ پاتے۔ یہ بات اچھی طرح اس کی سمجھ میں آ چکی تھی۔

بس، تمہیں نہ سوچوں تو بچ سکتا ہوں
طبیعت نے یہ دوا، ہاتھ جوڑ کر بتائی ہے



فارہ کچن کی طرف جا رہی تھی کے لاونچ میں فائز کو جوتوں سمیت صوفے پر لیٹے پایا۔ فارہ کو افسوس ہوا کہ وہ اپنے غم میں بھائی کو بھول ہی گئی۔ آہستگی سے چلتی ہوئی پاس آئی۔

”بھائی۔“ مدھم آواز ابھری۔

فائز نے یہ آواز نہ جانے کتنے دن بعد سنی تھی۔ فوراً اٹھ بیٹھا۔

”فارہ۔“

”بھائی! اس طرح کیوں لیٹے ہیں۔ طبیعت ٹھیک ہے آپ کی۔؟“ وہ فکر مند ہوئی۔

فائز بہن کی فکر پر ہلکا سا مسکرایا۔

”میں ٹھیک ہوں میری جان۔“

”بھائی۔ بھابھی کو لے آئیں جا کر۔“ اس نے بات بڑھائی۔

”یہ ممکن نہیں فارہ۔“

”کیوں ممکن نہیں بھائی۔ اس میں بھابھی کا کیا قصور؟ آپ کیسے رہ سکتے ہیں بھابھی اور آیت کے بغیر۔ میں

بہت مس کر رہی ہوں۔ پلیز بھائی۔ لے آئیں نا۔“ وہ ہنسنے لگی۔

”فارہ۔“

”کوئی اگر مگر نہیں۔ آپ جا رہے ہیں۔ بس۔“

”فارہ! میں یہ سب اتنی آسانی سے بھولنے والا نہیں۔ اس لیے خدمت کرو۔“

”اس سب میں بھابھی کا کوئی قصور نہیں ہے پھر سزا ان کو کیوں مل رہی ہے؟ آپ مرد کتنے خود غرض ہوتے ہیں۔ بھائی۔ غلطی کسی اور کی ہی کیوں نہ ہو پر۔ مشق ستم عورت کو ہی بناتے ہیں۔ دس ازناٹ فیئر۔ ویسے بھی یہ میری اپنی قسمت کا لکھا تھا۔ جو ہو چکا۔ اور قسمت کا لکھا کوئی نہیں مٹا سکتا بھائی۔ لہذا اپنی اور بھابھی کی خود ساختہ سزا ختم کریں۔“ تفصیلاً جواب دیا۔

”فارہ۔ تم سمجھ نہیں رہی ہو۔ میں۔“ وہ کچھ اور بھی کہتا کہ پاپا کی آواز پر مڑا۔ آیت بھاگتی ہوئی باپ سے چٹی۔

فائز نے دروازے میں سکندر، مسز سکندر اور رمشا کو کھڑے دیکھا۔ غصہ ضبط کرتے ہوئے جھک کر بیٹی کو اٹھایا۔ جو ٹانگ سے چٹی تھی اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

راحیلہ بیگم بھی وہاں آچکی تھی۔

”آپ لوگ؟ وہاں کیوں کھڑے ہیں۔ بھائی صاحب اندر آئیں نا۔“ وہ آگے بڑھیں۔

فارہ اگر مزید وہاں رکتی تو ضبط کھودیتی۔ اپنے بھرم کو قائم رکھنے کیلئے وہ بھی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ رمشا کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا۔



”عائش۔ حیران پر اہل علم کیا ہے؟ تو چاہتا کیا ہے آخر؟“ اسجد قل غصے میں تھا۔

”کیا کیا ہے میں نے؟“ معصومیت سے سوال ہوا۔

”زیادہ بھولا بابو نہ بن۔ اچھا۔ صاف صاف بتا کیا تکلیف ہوئی اب کی بار۔“ وہ چڑا۔

”تکلیف مجھے نہیں۔ اس ڈفر کو تھی۔“

”باقی سب ڈفر، اسٹوپڈ، نان سنس اور پتہ نہیں کیا، کیا۔ ایک تو ہی آسمان سے دودھ کا دھلا اتر رہا ہے۔“
”ایگزیکٹو۔“ عائش چڑاتی ہنسی ہنسا۔

”دانت بند کر کیئے ورنہ تر سے گا ان کو دیکھنے کو۔ توڑ دوں گا بتیسی ساری۔“ وہ چڑا۔

”کیا بات ہے۔ بڑا غصہ چڑھا ہے کہیں۔ اس ڈفر (عائش کا باس) کی بیٹی کیساتھ کوئی چکر و کر تو نہیں؟“
عائش نے آنکھ ماری۔

”تو ٹھہر سالی۔“ اسجد قاتلانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا۔ عائش اسے اپنی طرف لڑاکا عورتوں کے انداز میں آتا دیکھ کر کھل کر قہقہے لگانے لگا۔

اسجد نے بڑھے ہوئے ہاتھ بیچ میں ہی روک لیے اور عائش کو دیکھنے لگا جو آج بالکل ویسے ہی بے فکر قہقہے بکھیر رہا تھا جیسے وہ امریکہ میں بکھیرتا تھا۔ دل سے۔

اسے اس طرح ہنستے دیکھ کر وہ خوش ہوا۔ کیونکہ عائش تو ہنسا بھول ہی چکا تھا۔ عائش کو ہنستے ہنستے اندازہ ہوا کہ اسجد رک چکا ہے۔

”کیا ہوا۔ ڈیئر فرینڈ۔ رک کیوں گئے؟“ وہ حیران ہوا۔

”کچھ نہیں۔“ اسجد نے سر جھٹکا۔ وہ اسے بتا کر پھر سے خاموش نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”غصہ تو بہت ہے تجھ پر۔ پر جا۔ معاف کیا۔ جانی۔“ وہ احسان کر کے صوفے پر بیٹھا۔

”شکریہ۔ نوازش۔“ عائش نے سر خم کیا۔

”ہاں تو اب بتا تا غصہ؟ اور یہ غصہ تجھ جیسے جو کر پر بالکل سوٹ نہیں کرتا۔“ عائش اسے چھیڑتے ہوئے اس کے ساتھ جڑ کر بیٹھا۔

”دیس ٹینس۔ پلیز ززززز۔“ اسجد نے فاصلہ کیا۔

عائش حیران ہوا۔

”ابے کھوتے۔ میری جنس مشکوک نہ کریار۔“

”پھر۔ پھر کیا۔“ وہ دونوں ہی کھوتوں کی طرح ہنسنے لگے۔ بلند و بالا۔ کوئی اور وہاں آتا تو یقیناً انہیں پاگل



”سجاد نہیں آیا ابھی آفس سے؟“ سکندر صاحب نے راحیلہ بیگم سے پوچھا۔

”آگئے ہیں۔ میں بلاتی ہوں انہیں۔ آپ لوگ چائے تولیں۔ رمشا بیٹا چائے سرو کرو۔“

”جی چچی۔“ رمشا کی جان میں جان آئی۔ ان کا نارمل رویہ دیکھ کر۔

کچھ دیر میں سجاد بھی وہاں آچکے تھے۔ حال احوال کے بعد خاموشی تھی وہاں جسے سکندر صاحب نے توڑا۔

”سجاد۔ میں تم سے بہت شرمندہ ہوں اور معافی مانگنے آیا ہوں۔“ وہ آہستہ سا بولے۔

”بھائی صاحب! کیسی بات کر رہے ہیں۔ آپ میرے بڑے ہیں مجھے شرمندہ مت کریں پلیز۔“ سجاد

عاجزی سے بولے۔

”شرمندہ تو میں ہوں یا۔ میری اولاد نے.....“

”چھوڑیں اس بات کو بھائی صاحب۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ ہم اس تلخ حقیقت کو ایکسپٹ کر چکے ہیں۔ اس

لیے آپ بھی بھول جائیں سب۔“

سکندر صاحب کے دل سے تھوڑا بوجھ سرکا۔

”ہم رمشا کو بھی چھوڑنے آئے ہیں۔“ مسز سکندر بولیں۔

”یہ رمشا کا ہی گھر ہے بھابھی۔ آپ فکر مت کریں ہم ہر گز ایک بیٹی کی قسمت کی سزا دوسری کو نہیں دیں

گے۔“ سجاد دل بڑا کر کے بولے۔

سکندر کو چھوٹے بھائی کی سوچ پر فخر سا ہوا۔ وہ اٹھے اور مشکور انداز میں سجاد صاحب کے گلے لگ کر دل کا

بوجھ ہلکا کرنے لگے۔



ہنس ہنس کر تھک چکے تو خاموش ہوئے۔

”عائش۔“

”ہوں۔“

”عائش اتنا زیادہ ہنس کر پھر سے سمٹ چکا تھا۔

”تو نے جاب کیوں چھوڑی؟“ سوال ہوا۔

”پتہ نہیں۔ میرا دل بھر چکا تھا وہاں سے۔“ وہ بیزار سا بولا۔

”تو جانتا ہے یہ تیری کتنی جاب تھی جو تو چھوڑ چکا ہے۔“

”تجھے پتہ ہوگا۔“ آرام دہ جواب دیا۔

”میں تو جانتا ہوں۔ اس لیے تیرا پر اہلم پوچھنے آیا ہوں۔ آخر کیوں کر رہا ہے تو ایسے؟“

”میرا دل نہیں لگتا یہاں۔“ معصوم سا جواب آیا۔

”عائش۔ یہ تیری ساتویں جاب ہے۔ ان سات، آٹھ ماہ میں۔“ اسجد بہت پرسکون انداز میں بات کر رہا

تھا۔

”جانتا ہوں یار۔“

”جانتا ہے تو پھر۔ کیوں کر رہا ہے ایسے؟“

”بتا تو چکا ہوں میرا دل نہیں لگ رہا کسی چیز میں۔“ وہ بے بس ہوا۔

”اور تو جس چیز میں دل لگا رہا ہے۔ وہ اب وقت کا ضیاع ہے۔ اور کچھ نہیں۔ عائش۔ سنبھل جا۔ ابھی وقت

ہے۔“

”میں بے بس ہوں۔“ مدھم سرگوشی ہوئی۔

”خود کو سنبھال یار۔ مرد بن مرد۔“ اسجد نے اس کے کندھے پر جھکی دی۔

”مرد بن کر رہی تو.....“ اس کا گلارہ نڈھا۔

”عائش پلیز۔ یار اب اس پچھتاوے کا کوئی فائدہ نہیں۔ نہ تجھے اور نہ ہی کسی اور کو۔ اس لیے لوٹ آ واپس

یار۔ یہ راہ بہت مشکل ہے اور اس راہ کی اب کوئی منزل بھی نہیں۔“

”منزل؟۔ منزل تو میں خود گنوا بیٹھا ہوں۔ اسجد، میں واپس جانا چاہتا ہوں، میں سکون چاہتا

ہوں۔ مم۔ میں۔ میں۔ فا۔ فارہ۔“

“چھوڑ دے بس کریار۔ اب فارہ تیری نہیں ہے اور نہ ہی ہو سکتی ہے۔“ اسجد نے حقیقت بیان کی۔ ”اسے سوچنا چھوڑ دے۔ جو ہو چکا اسے بھول جا۔ یہی بہتر ہے تیرے لیے۔“

”کیسے بھول جاؤں۔ کیسے۔“ عائش نے سر کے بال جکڑے۔ ”میں اس قدر گر گیا تھا۔ سوچتا ہوں تو خود کو شوٹ کرنے کو دل کرتا ہے۔ میں اسے بھولنا چاہتا ہوں پر اس کی معصومیت پر جو داغ لگا آیا ہوں وہ چین نہیں لینے دیتا۔ میں جلد بازی میں بہت غلط کر آیا ہوں یار۔“

وہ رو دینے کو تھا۔

”اسی لیے سیانے کہتے ہیں ہر فیصلہ جوش سے نہیں بلکہ ہوش سے لینا چاہیے تاکہ کوئی پچھتاوا نہ رہ جائے۔“ اسجد نے ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔

عائش صرف اپنے کیے پر پچھتا رہا تھا یا پھر کوئی اور جذبہ بھی اسے اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا؟



رمشا کو واپس سجاد ہاؤس آئے دو ماہ ہونے والے تھے پر فائز نے اسے مخاطب تو کیا اس کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ رمشا کی برداشت سے باہر ہو چکا تھا یہ سب۔ وہ فائز جیسے نرم دل اور محبتیں لٹاتے انسان کا یہ بیگانہ روپ سہہ نہیں پار رہی تھی۔ اسی لیے آج ہمت کر کے اسے مخاطب کر بیٹھی تھی۔

”فائز۔“

وہ لیپ ٹاپ پر بڑی تھا۔

”فائز۔“

دوسری طرف ہنوز خاموشی تھی۔

رمشانے آہستگی سے اپنا ہاتھ فائز کے کی بورڈ پر چلتے ہاتھ پر رکھا۔ فائز نے ہاتھ جھٹک دیا۔

”وائس یور پر ایلیم؟“ پھاڑ کھانے والا انداز تھا۔

آپ۔ آپ کیوں کر رہے ہیں ایسا میرے ساتھ؟“

”پہنچی مت بنو۔ کبھی۔ اور جاؤ یہاں سے کام کرنے دو مجھے۔“

”فائز پلینز۔ مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہیں۔ مم۔ میری کیا غلطی ہے۔“ وہ منمنائی۔

”غلطی تو ہماری ہے اور ہم اس کا بھگتان بھی بھگت چکے ہیں۔ اس لیے جاؤ۔ جان چھوڑو میری۔“ دفع کرنے کی کسر رہ گئی تھی بس۔

”فا۔ فائز۔“ رمشانے اس کا گھٹنا پکڑا جسے چھڑوا کر وہ دور جا کھڑا ہوا۔

”ہمارا ظرف اتنا کافی ہے کہ اس شخص کی بہن کو یہاں برداشت کر رہے ہیں اس لیے مزید کی توقع چھوڑ

دور مشابینگم۔“ وہ استہزایہ ہوا ”اور ویسے بھی میں نے تمہیں اپنی بیٹی ہی کی خاطر یہاں آنے دیا ورنہ۔“

”اپنی بیٹی۔ آیت ہماری بیٹی ہے۔ فائز۔ تیری، میری نہیں۔“

”لیکچر بند کرو اور جاؤ۔ مجھے کام کپلیٹ کرنے دو۔“ وہ برہم ہوا۔

رمشانے برستی آنکھوں سے اس کا یہ روپ دیکھا اور روتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔



وقت کا کام ہوتا ہے گزرتا اور وہ گزرتا جاتا ہے بنا کسی کی پرواہ کیے۔ پر لگائے۔ اچھایا برا۔

فارہ کا بھی برا وقت گزر رہا تھا سب کے خیال میں۔ کیا واقعی برا وقت گزر گیا تھا؟ یا ابھی بھی آزمائش باقی تھی۔

اس گزرتے وقت میں اس نے بہت سنبھال لیا تھا خود کو۔ اب وہ کسی کے سامنے نہ ہی افسردہ ہوتی اور نہ ہی روتی تھی۔ البتہ اکیلے میں وہ یہ دونوں شغل ضرور فرماتی تھی۔ وہ عائش کو بھول نہیں پاری تھی اور اس بیوفا کو بھولنا آسان بھی نہ تھا فارہ کے لیے۔

وہ اٹھارہ سال کی تھی جب اس کے دل میں عائش کی محبت نے قدم رکھے تھے۔ جو وقت کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتے گئے۔ اور رہی سہی کسر دونوں فیملیز کی رضامندی نے کر دی۔ وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کرتی۔ جسے چاہ تھا وہ آسانی سے مل بھی رہا تھا لیکن اس کی قسمت اس کے ساتھ بہت بھیا تک مذاق کر گئی۔ پر جو بھی تھا۔ اسے سنبھلنا تھا اور وہ کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔

دوسری طرف۔

عائش سنبھلنے کے چکر میں مزید بکھرتا جا رہا تھا۔ تھک ہار کر اس نے رامش سے رابطہ کر ہی لیا تھا۔ رامش نے اس سے بات نہیں کی تھی، پر عائش نے ہمت نہیں ہاری اور مسلسل اس سے رابطہ کرتا رہا۔
رامش کیا کرتا۔ بڑا بھائی تھا اس کا۔ آخر پہنچ ہی گیا۔ پر عائش کو اس کے کیے پر شدید لعن طعن کی تھی۔ جسے عائش نے بہت صبر سے سنا تھا کیونکہ غلطی جو تھی۔ رامش نے بھی دل کی بھڑاس نکال کر عائش کو معاف کر دیا تھا۔ وہ جان گیا تھا اس کا چھوٹا بھائی پچھتاؤں میں گھر چکا ہے۔



”فارہ کیا کر رہی ہو؟ لاؤ میں بتا دیتی ہوں۔“ رمشانے فارہ کو آیت کے لیے نوڈلز بناتے دیکھ کر کہا۔
”نہیں بھابھی۔ میں بتا دیتی ہوں۔ آپ جائیں روم میں بھائی آپکے ہیں آفس سے۔“
”آں۔ ہاں۔ ان کا آنا آنا برابر ہے اب تو۔“ رمشا دیکھی ہوئی۔
”بھائی مائے نہیں اب تک؟“ فارہ حیران ہوئی۔
”نہیں۔“

”اف بھابھی۔ اتنے ماہ گزر گئے اور آپ۔ آپ بتاتی تو سہمی۔“
”کیا بتاتی میں۔ میں یہی ڈیز رو کرتی ہوں فارہ اس لیے کوئی شکایت نہیں ہے مجھے ان سے۔“
”پر۔ بھابھی۔“

”چھوڑو فارہ۔ میں عادی ہو گئی ہوں اس رویے کی۔ تم بتاؤ۔ ماریا آئی تھی کل؟“
”ہاں۔ وہ اپنے گھر ملنے آئی تو میرا پتہ چلا اسے، اسی لیے آئی تھی۔“ فارہ نے مدھم آواز میں بتایا۔
”ہوں۔ فارہ! تم نے آگے کا کیا سوچا ہے۔“ رمشا شرمندہ سا بولی۔

”کیا سوچنا ہے بھابھی۔ کوئی سکول جاب کر لیتی ہوں۔ مزید پڑھنے کو تو اب دل نہیں کرتا ہے۔“ فارہ نے تفصیلاً جواب دیا۔

”ہاں۔ اچھا ہے۔ بڑی رہو گی۔“ رمشا مسکرائی۔

فارہ نوڈلز بنا چکی تھی۔ باؤل رمشا کو تھما کر خاموشی سے کچن سے نکل گئی۔
رمشا افسردہ سی کھڑی رہ گئی۔



راحیلہ بیگم کو سونے کا ارادہ باندھتے دیکھ کر سجاد صاحب نے بات شروع کی۔
”راحیلہ۔“

”جی؟“

”مجھے ضروری بات کرنی ہے تم سے۔“

”جی کریں میں سن رہی ہوں۔“ وہ سیدھی ہوئیں۔

”میں فارہ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ کب تک یہ سب چلے گا۔“

”میں سمجھی نہیں آپ کا مطلب؟“

”میں اس کی شادی کرنا چاہ رہا ہوں۔“ انہوں نے اتنی بڑی بات بڑی آسانی سے کہی۔

”کیا؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟“

”ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ آج یا کل۔ یہی ہونا ہے تو پھر آج ہی ہو جائے بہتر ہے۔ میں مزید فارہ کو اس دکھ میں

گھرے نہیں دیکھنا چاہتا۔ اسی لیے فیصلہ کر چکا ہوں۔“

”سجاد۔ پلیز۔ میری بچی کو ٹھیک سے سنبھلنے تو دیں۔“ وہ رونے لگیں۔

”وہ سنبھل جائے۔ اسی لیے یہ فیصلہ لیا ہے میں نے۔ نئے رشتے میں جڑے گی تو پچھلا سب بھول جائے

گی۔ مجھے پورا یقین ہے۔“ وہ بہت پر امید تھے۔

”آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے سب ریڈی ہو اور لڑکا بھی ڈھونڈ لیا ہو۔“ وہ ان کے کنفیڈنس پر حیران

ہوئیں۔

”جی بالکل۔ آپ ٹھیک سمجھی ہیں۔ لڑکا مل چکا ہے۔“ انہوں نے دھماکہ کیا۔



عائش کو آٹھویں باب شروع کیے ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا تھا لیکن یہاں اگر باس سے بن گئی تھی تو باس کی بیٹی نے تنگ کر دیا تھا۔

وہ آفس میں بڑی تھا۔ جب دھاڑ سے دروازہ کھلا۔

”ہائے۔ ہیلو۔ عائش۔ ہاؤ آر یو؟“ بے تکلفانہ انداز میں کندھے پر ہاتھ رکھا گیا جیسے بچپن کی جان پہچان ہو۔۔۔

عائش کو چار سو چالیس واٹ کا جھٹکا پڑا اس کی ادا پر۔

”ہائے۔ ہینڈسم۔ ویئر؟“ آئمہ نے آنکھوں کے سامنے ہاتھ بلایا۔

عائش کو ہوش آیا۔ وہ جلدی سے پیچھے ہٹا کہ کہیں وہ اپنی موجودگی کا احساس دلانے کی لیے گلے ہی نہ لگ جائے۔

”تم کتنے شرمیلے ہو عائش۔“ وہ بال جھٹکتی مسکرائی۔

”آپ یہاں کس لیے آئی ہیں؟“ عائش ناگواری سے بولا۔

”اووہو۔ ایک تو تم خفا بہت ہوتے ہو شاید کسی نے بتا رکھا ہے تمہیں کہ غصے میں اور بھی ہینڈسم لگتے ہو۔“ وہ بیباکی سے آنکھ مارتی پھر سے قریب آئی۔

”انف۔ جائیں یہاں سے مجھے کام کرنے دیں۔“ عائش رعب سے بولا جیسے اپنا آفس ہو۔ وہ خفا ہوئے بغیر مسکرائی۔

”ابھی تو جا رہی ہوں لیکن پھر آؤں گی۔ ہینڈسم۔“

جاتے جاتے بھی آنکھ مار گئی۔

”اوووف۔ کیا مصیبت ہے یار۔ بیٹھے بٹھائے گلے پڑ گئی۔ کیا کروں اب اس بلا کا۔“ وہ چڑا۔

”اسجد۔ ہاں اسجد سے مشورہ کرتا ہوں۔“

یہ سوچ کر وہ ریلیکس ہوا۔



”کیا کہا آپ نے۔ لڑکا ڈھونڈ چکے ہیں۔ کب، کہاں، کون۔“ راحیلہ ایک ہی سانس میں بولیں۔

”عباسی صاحب کا بیٹا ہے۔“ جواب آیا۔

”عباسی صاحب۔ وہ۔ پرانے منجر جو چار سال پہلے وفات پا چکے ہیں۔“ ان کی یادداشت اچھی تھی اسی لیے اتنی جلدی پہچان گئیں۔

”ہاں۔ وہی عباسی صاحب۔“ وہ پرسکون تھے۔

”لیکن ان کا بیٹا کہاں ملا آپ کو؟“ راحیلہ کی حیرانگی ختم نہیں ہو رہی تھی۔

”؟ کہاں ملا۔ مطلب۔ وہ پچھلے تین سال سے ہمارے ہی آفس میں جاب کر رہا ہے۔ پڑھا لکھا، مہذب، اور سلجھا ہوا لڑکا ہے۔ فائز کو بھی کوئی اعتراض نہیں اس رشتے پر۔ میں اس سے بات کر چکا ہوں۔“

”لیکن۔ وہ مڈل کلاس۔“ وہ ہکلائیں۔

”آپ کے منہ سے یہ بات بالکل مناسب نہیں لگتی۔ بہر حال میں داؤد سے بات کر چکا ہوں۔ اس کی فیملی اس سنڈے کو آ رہی ہے۔ اس لیے قارہ سے بات کر کے اسے انفارم کریں۔ انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آپ سمجھائیں گی تو ضرور مان جائے گی۔ میری بیٹی بہت سمجھدار ہے۔“ انہوں نے بات ختم کی اور اسٹڈی میں چلے گئے۔

”سمجھدار ہونے کیساتھ فرمانبردار بھی ہے آپ کی بیٹی۔ اسی لیے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔“ وہ خود سے بولیں۔
ماں تھیں۔ بیٹی کے دل کا راز جانتی تھیں۔ پر اب آگے تو بڑھنا ہی تھا۔ یہی سوچ کر خاموش ہو گئیں۔



عائش کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ اس نے اسجد کو کیفے میں بلایا تھا پر پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ محو انتظار تھا۔ اسجد کا کچھ اتنا پتہ نہ تھا۔ مزید پندرہ منٹ انتظار کے بعد عائش جھنجھلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔
دو قدم ہی چلا تھا کہ اسجد آتا ہوا دکھائی دیا۔ اسجد اسے دیکھ کر مسکرایا مگر عائش سنجیدگی سے چلتا ہوا پاس سے ہو کر آگے گزر گیا۔

”یہ کیا؟“ اسجد حیران ہوا مگر جب تک سمجھ آئی۔ عائش جا چکا تھا۔

؟؟ اوہ شٹ۔ ڈسٹرنگ کمینے۔ بڑا خبیث ہے تو جانی۔“ وہ مسکرایا۔

”کوئی بات نہیں بیٹا۔ تجھے کام تھا۔ تو نے ہی بلایا تھا۔ اور۔ تو ہی بلائے گا پھر سے۔“

اسجد نے تصور میں عائش کو آنکھ ماری اور سیٹی پر دھن بجاتا واپس ہولیا۔



راحیلہ بیگم آج بہت ہمت کر کے فارہ کے روم میں آئی تھیں۔ پہلے ہر بات وہ رمشا سے کہلوا دیتی تھیں مگر اب بات اور تھی اس لیے خود ہی آئیں۔

فارہ تلاوت کے بعد دعا میں بڑی تھی۔ وہ بیٹھ کر اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگیں۔ فارہ فارغ ہوئی تو ماں کو کمرے میں موجود پایا۔

”امی۔ آپ۔“

”ہاں میں۔“ وہ مسکرائیں۔ ”یہاں آ کر بیٹھو میرے پاس۔“ انہوں نے اشارہ کیا۔

فارہ نے کشن اٹھا کر زمین پر ماں کے پاس رکھا اور اس پر بیٹھ کر سران کے گھٹنے پہ رکھ دیا۔ وہ پیار سے فارہ کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔

”مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے فارہ۔“

”جی۔ بولیں امی۔“

”بیٹا جو ہو چکا اسے بھول جاؤ۔ ہم سب بھی قسمت کا لکھا جان کر قبول کر چکے ہیں۔ پر بیٹا زندگی کسی ایک موڑ پر یا ایک شخص پر ختم نہیں ہوتی ہے ہمیں آگے بڑھنا ہوتا ہے وقت کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔“ انہوں نے تمہید باندھی۔

”تم سمجھ رہی ہونا فارہ۔“

”جی امی۔ سمجھ رہی ہوں۔“

”بیٹا۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ تم سب کچھ بھول کر آگے بڑھو، زندگی انجوائے کرو میری جان۔“ انہوں نے فارہ کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے کر ماتھے پر بوسہ دیا۔

”امی۔ کیا بات کہنا چاہتی ہیں آپ؟“ فارہ کھکی۔

”تم انکار نہیں کرو گی۔ ہاں۔“ انہوں نے یقین دہانی چاہی۔

فارہ حیران ہوئی بات سے پہلے ہی شرط۔

”آپ کریں بات۔“ وہ بولی۔

”فارہ بیٹا۔ ہم۔ ہم تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔“

انہوں نے بمشکل اصل بات کی۔

”کیا؟“ فارہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایسی بات کریں گی۔

ابھی تو وہ اس دشمن جاں کو ٹھیک سے بھول بھی نہیں پائی تھی کہ ایک نیا رشتہ۔ وہ سوچوں میں گم تھی۔

”فارہ۔“ راحیلہ نے اس کا کندھا ہلایا۔

”جج۔ جی۔“ وہ چوکی۔

”کیا ہوا بیٹا۔ برا لگا تمہیں؟“

”نہیں۔ پر اتنی جلدی۔“

”جلدی کہاں بیٹا۔ چھ ماہ سے زیادہ ہو گیا ہے۔“

”لیکن امی۔“ وہ منمنائی۔

”فارہ بیٹا! تمہارے بابا ہارٹ پیسٹ ہیں اور یہ انہی کا فیصلہ ہے۔“ وہ ایموٹل ہوئیں۔

”ٹھیک ہے امی۔ جیسے آپ سب کی مرضی۔“ فارہ رضامند ہوئی۔ اب اس کے علاوہ کوئی اور چارہ جو نہ تھا۔

راحیلہ خوشی سے اس کا ماتھا چوم کر چلی گئیں۔

فارہ یہ سوچ رہی تھی کہ وہ جس شخص کے لیے ہاں کر چکی ہے اس کو کیا دے گی؟ اس کے پاس تو کچھ نہ بچا تھا۔

سب کچھ تو وہ دشمن جاں ساتھ لے گیا تھا۔

دل، جذبات، احساسات۔ اور۔ اور۔ جسم بھی۔

پھر کبھی نہیں ہو سکتی محبت سنا تم نے
وہ شخص بھی ایک تھا اور میرا دل بھی ایک



عائش پچھلے تین دن سے اسجد کا ویٹ کر رہا تھا مگر اس کی طرف سے مکمل خاموشی تھی۔ عائش اسے کافی گالیوں سے نواز چکا تھا اور اب بھی یہی کر کے فائل پر جھکا ہی تھا کہ وہ بلا پھر سے نازل ہوئی۔

”ہیلو عائش۔ ہاؤ آر یو۔“ ایک ادا سے پوچھا گیا۔

عائش اس کی بے تکلفی سے چڑا۔ یوں جیسے بچپن میں گڈا، گڈی کا کھیل ایک ساتھ کھیلتے رہے ہوں۔

”فائن۔“ سرسری سا جواب دے کر فائل پر جھک گیا۔

”بڑی ہو کیا۔“

”نظر نہیں آ رہا کیا۔“ روکھا سا جواب آیا۔

”تم مجھے انور کیوں کرتے ہو عائش؟“ افسردگی سے پوچھا گیا۔

”میں انور نہیں کر رہا میڈم۔ آئی ایم بڑی ناؤ۔ سو پلیز۔“

”عائش۔ تم۔“

”محترمہ آئمہ عباس صاحبہ۔ میں یہاں آپ کے والد محترم کا ایمپلائی ہوں اور یہ فائل۔“ عائش نے فائل

لہرائی۔ ”مجھے آج کی ہی تاریخ میں فائل کروانی ہے عباس صاحب سے۔ اس لیے اگر آپ کی اجازت ہو تو میں

یہ فائل کمپیٹ کرنے کا شرف حاصل کر سکتا ہوں۔“

وہ جھنجھلایا۔

آئمہ اس کے طرزِ خطاب پر ہنسی تو پھر ہنستی ہی چلی گئی۔ عائش نے ناگواری سے گھورا۔

”نان سینس۔ اسٹوڈنٹ گرل۔“ دل میں بولا۔

آئمہ کو اس کی گھوری نے بریک لگائے۔

”ہا۔ ہاؤ فنی عائش۔“

عائش کھڑا ہوا۔

”اوکے۔ اوکے۔ آئی ہیونوگو۔ بٹ انس امیزنگ سائل۔ آئی رئیلی لائیک۔“ اور مسکراتی ہوئی چلی گئی۔
”واٹ داہیل از دس۔ یا راجدا! کمینے چھوڑو! گا نہیں تجھے۔“ عائش نے اسجد کو مخاطب کیا اور ٹیکسٹ بھیجا۔



اسجد کے سیل نے میسج ٹون بجائی۔ اس نے میسج کھولا۔ چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

”اگر تو آج بروز جمعرات، شام سات بجے میرے اپارٹمنٹ میں موجود نہ ہوا تو تجھے میرے۔ یعنی عائش
سکندر کے اعصاب سے یہ دعویٰ والے بھی بچا نہیں پائیں گے۔ مائنڈاٹ کمینے۔“
”اوکے باس۔“ اسجد مسکرایا۔



سجاد صاحب نے داؤد کی فیملی کو سنڈے کو انوائٹ کیا تھا لہذا آج داؤد کی فیملی جس میں اس کی دو بہنیں اور
ماں شامل تھیں، سجاد ہاؤس آئیں اور فارہ کو پسند کر گئیں۔

سب کی رضامندی سے ایک ہفتے بعد نکاح اور چھ ماہ بعد رخصتی طے پائی۔ لیٹ رخصتی کی وجہ داؤد کی چھوٹی
بہن کی ساتھ شادی تھی۔ اس کا فیملی آؤٹ آف کنٹری تھا اس لیے دونوں بہن، بھائی کی شادی ایک ساتھ رکھی
گئی۔

سجاد اور ان کی فیملی کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ اس لیے سب نکاح کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔



اسجد پورے سات بجے عائش کے اپارٹمنٹ میں موجود تھا۔ عائش کو اسموگلنگ کرتے دیکھ کر اس کی کلاس
لے رہا تھا۔

”تو نے کب سے اسموگلنگ شروع کر دی۔“ سوال پوچھا گیا۔

”جب سے حالات نے کروٹ بدلی ہے۔“

اسجد نے سگریٹ چھین کر زمین پر پھینکا اور جوتے سے کچل دیا۔

”اب بتا۔ کیوں یاد کیا مجھے۔“ وہ صوفے پر ریلیکس ہوا۔
”ایک ضروری بات ڈسکس کرتا تھی۔“ عائش نے بات اشارت کی۔
”ہاں بول۔ سن رہا ہوں۔“

”اسجد۔ وہ عباس صاحب کی بیٹی ہے نا آمنہ عباس۔ یار۔ اس نے میری زندگی عذاب بنا دی ہے۔“ وہ جھنجھلایا۔

”وہ کیسے؟“

”یار۔ صبح، شام آفس میں چپک پڑتی ہے۔“

”تجھے کیا پرابلم ہے۔ اس کے باپ کا آفس ہے۔ جب چاہے آئے، جائے۔ تجھے ہرگز وہاں چڑا سی پائٹ نہیں کیا گیا۔ جو تو آنے جانے کا حساب رکھے۔“ اسجد غیر سنجیدہ رہا۔

”بی سیریس اسجد۔“ وہ غرایا۔

”تو ہو جا سیریس۔ میں نے کون سا روکا ہے۔“ بے فکری سے جواب آیا۔

”اسجد۔“ عائش نے گھورا۔

”کیا یار۔ لڑکی ہی ہے۔ کوئی بلا تو نہیں۔“

”بلا سے کم بھی نہیں۔“ عائش نے منہ ہٹایا۔

”اچھا پھر اب مجھے بتا میں کیا کروں؟“ اسجد نے معصومیت کی انتہا کی۔

”میں نے تجھے کہا۔ بی سیریس اسجد۔“ وہ چلایا۔

”آہستہ بول جانی۔ ذاتی کان ہیں میرے۔“

”اُٹھ۔ جا۔ دفع ہو جا یہاں سے۔“ عائش غصے میں چیخا۔

”اوکے۔ مائی لارڈ۔“ اسجد دل پر ہاتھ رکھ کر جھکا اور باہر کی جانب سیٹی بجاتا چل پڑا۔

”تو مارا جائے گا میرے ہاتھوں۔“ کینے۔“ عائش اس کی طرف بڑھا

”اشاپ جانی۔“ اسجد نے مسکرا کر ہاتھ بلند کیے۔

”خود ہی کہا تھا جاؤ۔“ آنکھیں لڑکیوں کے انداز میں پٹپٹائیں۔

عائش کو اس کا آنکھوں کا پٹپٹانا دیکھ کر ہنسی آگئی۔

”بیٹھا الہڑدو شیزہ۔ یا میں گود میں اٹھا کر بٹھاؤں۔“ اسجد کو چھیڑا۔

”گود میں آئمہ عباس کو لینا۔ خوش ہو جائے گی بیچاری۔“ اسجد نے آئمہ پر ترس کھایا۔

”الٹی سیدھی بکو اس نہ کر اور مجھے اس سب کا حل بتایا۔ کیسے پیچھا چھڑاؤں اس سے۔“

”پیچھا کیوں چھڑوانا ہے۔ تجھے بولڈ اور کنفیڈینٹ لڑکیاں پسند ہیں نا تو پھر بھگت اب۔“ اسجد نے اسے کچھ

یاد دلایا۔

”میرے زخموں پر نمک مت چھڑک۔“ وہ افسردہ ہوا۔

”نمک نہیں میرا تو مرچیں چھڑکنے کو دل کرتا ہے۔ کچ میں۔“ اسجد نے دل کی بات بتائی۔

”میں غلط تھا۔ میں تسلیم کر چکا ہوں۔“ وہ مدھم آواز میں بولا۔

”تو غلط نہیں تھا عائش۔ تو گنہگار ہے کسی معصوم کا۔“

”اسجد پلیز۔ میں پہلے ہی ٹینس ہوں مجھے مزید اذیت مت دے۔“ وہ رونے والا ہوا۔

”میں کیا حل بتاؤں۔“ اسجد نے بات پلٹی۔ ”تو زیادہ سمجھدار ہے۔ ویسے بھی تو، تو فیصلے خود کرتا ہے

اپنے۔ پھر پوچھ کیوں رہا ہے۔“ اسجد خفا ہوا۔

”اوکے۔ فائن۔ میرا مسئلہ ہے میں خود سولو کر لوں گا۔“ ٹھیکس فار کمینگ۔ یوے گوناؤ۔“ عائش نے تسلی

سے دفع ہو جاؤ کہا۔ اسجد ہنس پڑا۔

”اب ہنس کیوں رہا ہے۔ نکل۔ آؤٹ۔“ وہ اسجد کو ہنسنے دیکھ کر چڑا۔

”ریلیکس جانی۔“

”اچھا سن۔ میں نے دیکھ رکھی ہے آئمہ عباس۔ اچھی خاصی ہے۔ تھوڑی سی لفٹ کروا دے۔ سب

سیٹ۔“ سلوشن آیا۔

”اسجد۔“ سنبھہ ہوئی۔

”ہاہاہا۔ او کے جانی، میں کرتا ہوں کچھ۔“

“مطلب؟”

”مطلب۔ بھابھی سے بات کرتا ہوں۔ وہ سمجھا دیں گی اسے۔ ناؤ بی ریلیکس اینڈ سائل پلیزززز۔“ اسجد نے تصویر کھینچ جانے کے انداز میں کہا۔ اس کی فرمائش پر عائش مسکرا دیا۔



مختصر انتظار کے بعد نکاح کا دن آن پہنچا۔ چند خاص مہمانوں کو مدعو کیا گیا تھا جن میں سکندر والا کے مکین بھی شامل تھے۔

داؤد اور اس کے گھر والے آچکے تھے۔ رسم نکاح کے مطابق قارہ کو ہلکا پھلکا تیار کیا گیا۔ سجاد، فائز اور سکندر صاحب نکاح خواں کیساتھ قارہ کے روم میں داخل ہوئے۔ قارہ سر جھکائے پتھر کی مورتی بنی ساکت سی بیٹھی تھی۔ مولوی صاحب نے نکاح شروع کیا۔

فارہ کے کانوں میں چھ ماہ پہلے کے الفاظ گونجنے لگے۔ جب اسی طرح نام پکارا گیا تھا۔ پر وہ نام۔ عائش
سکندر تھا اور آج داؤد عباسی پکارا جا رہا تھا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔
اسے اپنے کندھے پر دباؤ محسوس ہوا۔ فاتر نے اسے پین پکڑا انا چاہا۔ وہ تابکھنے کے انداز میں فاتر کو دیکھنے
لگی کہ کیا کروں اس پین کا۔

فائز اسکی حالت سمجھ چکا تھا۔ آہستہ سے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

”قارہ۔ بیٹا، سائن کرو۔“

”فارہ۔“ پھر سے پکارا گیا۔

فارہ نے کانپتے ہاتھوں سے پین پکڑا اور دھندلی آنکھوں سے نکاح نامے پر اپنا نام تھسیٹ دیا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے نکاح نامے پر سائن کر دیے تھے۔

سجاد نے بیٹی کو گلے لگایا، سر تھپکا اور باہر نکل گئے۔ فارہ بہت ضبط سے کام لے رہی تھی جیسے ہی سب باہر گئے

”عائش۔ عائش! خدا کرے آپ کبھی بھی سکون سے نہ رہ پائیں۔ کبھی بھی نہیں۔“
وہ اوندھے منہ بیڈ پر گر کر زار و قطار رونے لگی۔

آج پہلی بار قارہ کے منہ سے عائش کے لیے بدعاطلی تھی۔ وہ بھی تڑپ کیساتھ۔
جھوٹی مسکان لیے اپنے غم چھپاتے ہیں
ہچی محبت کرنے کی بھی کیا خوب سزا ملی



عائش کافی سے زیادہ ریلیکس تھا کیونکہ کافی دن سے آئمہ آفس نہیں آرہی تھی اس لیے اس کا وقت اچھا گزر رہا تھا۔ وہ اپنا کام نپٹا کر اپارٹمنٹ آیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ چینل سرچ کرنے لگا لیکن پھر دل کے خیال پر فون نکالا اور رامش کا نمبر ڈائل کیا۔ رامش کا سیل آف تھا۔
عائش نے گھر کے نمبر پر کال کی۔

فون بھا بھی نے اٹھایا۔

”السلام علیکم بھا بھی اکیسی ہیں آپ؟“

”میں ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ کیسے یاد آئی ہماری۔“

”بھائی کا نمبر بند ہے۔ کہاں ہیں وہ؟“

”ہاں ان کے سیل کی بیٹری ڈیڈ ہے مجھے کال کی تھی انہوں نے۔ امر بھائی کے ساتھ ہیں۔“

”اوکے۔ اور سنائیں بچے کیسے ہیں؟“

”سب ٹھیک ہیں۔ اپنا تہاؤ کیا ہو رہا ہے آج کل۔“

”کچھ خاص نہیں۔ بس جاب ہی۔“ وہ آہستہ سا بولا۔

”عائش۔ واپسی کا کیا ارادہ ہے؟“

”واپسی؟“

”ہاں۔ ایک سال ہونے والا ہے۔ اب واپس آ جاؤ۔ آنٹی (ساس) تمہیں بہت یاد کرتیں ہیں۔ ان کا ہی خیال کر لو کچھ۔“ ثمرہ افسردہ سی بولی۔

”بھابھی۔ کیا بابا مجھے معاف کر دیں گے؟“

”ہاں کیوں نہیں۔ وہ باپ ہیں۔ ویسے بھی اب ان کی آدمی ناراضگی تو ختم ہو ہی چکی ہوگی۔“
”وہ کیسے؟“ عائش حیران ہوا۔

”فارہ کی شادی جو ہو گئی ہے۔“ آرام سے بتایا۔

”واٹ؟ فارہ کی شادی؟“

”ہاں۔ نکاح ہو گیا ہے لیکن رخصتی میں ابھی کچھ وقت ہے۔“

”یہ۔ یہ کیسے؟“ وہ ہکلا یا۔

”عائش تم تو ایسے حیران ہو جیسے یہ ناممکن ہو۔ بھئی تم ڈائریس دے گئے تھے۔ اب وہ ساری زندگی یوں ہی تو نہیں گزار سکتی تھی نا۔“ اس نے سچ کہا۔

ہوا ہے تجھ سے پچھڑنے کے بعد اب معلوم
کہ تو نہیں تھا۔ حیرے ساتھ ایک دنیا تھی
”ہیلو۔ ہیلو۔ ہیلو عائش؟“

لائن آن تھی پر عائش خاموش تھا۔

”عائش۔“ ثمرہ نے دو، تین بار پکارا مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ تھک کر اس نے فون رکھ دیا۔



اسجد کے پاس اپارٹمنٹ کی سیکنڈ کی تھی۔ وہ عائش کو ڈھونڈتا ہوا بالکونی میں آیا۔ عائش ساکت سا کھڑا تھا۔
اسجد کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

”عائش، عائش۔“

”نن۔ نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ میری ہے۔“ عائش بڑبڑا رہا تھا۔

”عائش۔“ اسجد نے اس کا کندھا ہلایا۔

”آں۔ ہاں۔ ہاں۔“ وہ چوٹکا۔

”کیا ہو؟“ اسجد پریشان ہوا۔

”اسجد، اسجد وہ۔ وہ میری ہے۔ صرف میری۔ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ پھر۔ پھر کیسے کسی اور کی۔ نن۔ نہیں۔ اسجد۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔“ عائش بدحواس ہوا۔

”کیسا؟۔ عائش، کیا ہوا ہے؟ ریلیکس یار۔ تو بیٹھ یہاں۔“ اسجد نے اسے پکڑ کر قریبی کرسی پر بٹھایا اور خود پانی لینے چلا گیا۔

وہ جانتا تھا۔ عائش حواس میں نہیں۔

عائش کو پانی پلایا، اس کے کندھے پر تھپک کر ریلیکس کیا۔ کچھ دیر بعد خاموشی کو توڑا۔

”اب بتا۔ کیا ہوا ہے؟“

”فارہ کا نکاح ہو گیا ہے۔“ انتہائی دکھ سے بتایا گیا۔

”تو پھر۔“ اسجد کو ذرا دکھ اور حیرانگی نہ ہوئی۔

عائش اس کی ریلیکسیشن پر حیران ہوا۔

”ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟“ وہ بے بس ہوا۔

”کیوں نہیں ہو سکتا۔ تو ڈائیسورس دے چکا ہے اسے۔ ناؤ اس ناٹ یور کنسرن۔ کہ وہ کب، کس سے شادی

کرتی ہے۔ اب یہ تیرا مسئلہ نہیں ہے۔“ اسجد اطمینان سے بولا۔

”آئی کانٹ ایکسپٹ دس۔“

”تو نہ کر۔“ وہ ابھی بھی ریلیکس تھا۔

”میں۔ میں واپس جا رہا ہوں۔ آئی ہیو ڈیسیائیڈ۔“ عائش بولا۔

”اب کیا کرنا ہے واپس جا کر۔ میری مان۔ آئمہ اچھی لڑکی ہے۔ اس کے بارے میں سوچ۔“ مشورہ دیا

گیا۔

”اپنے مشورے سنبھال کر رکھ اور ہاں۔ آئمہ واقعی اچھی لڑکی ہے۔ تو سوچ لے۔ ویسے بھی تیرے فیملی ٹرمز ہیں عباس صاحب سے۔“ اب کے اسجد کو مشورہ دیا گیا۔

”ہاں۔ اگر تو اجازت دے تو سوچا جاسکتا ہے۔“ اسجد مسکرایا۔ ”عائش۔“

اسجد کا سیل بجا۔ بات بیچ میں ہی رہ گئی۔

”ہاں۔ ہیلو۔ اوکے۔ آئی ایم کمنگ۔ اوکے ہائے۔“

پھر اس نے سیل فون بند کر دیا۔

”چل بڑی۔ میں چلا۔ پھر ملتے ہیں۔“

”اوکے۔“ عائش نے ہاتھ ہلایا۔

اسجد چلا گیا اور عائش پاکستان واپسی کا سنجیدگی سے سوچنے لگا۔



نکاح ہوئے دو ماہ ہو چکے تھے۔ فارہ بہت حد تک اس حقیقت کو تسلیم کر چکی تھی۔ وہ داؤد کو دیکھ چکی تھی۔ عائش جتنا اینڈسم نہ تھا۔ پراچھا تھا۔

داؤد کی امی اور بہنیں بھی بہت اچھیں تھیں اکثر ملاقات ہو جاتی تھی سب سے۔ فارہ خوش نہ سہی پر مطمئن ضرور تھی۔

سجاد صاحب، فائز اور راحیلہ بھی ہر طرح ریلیکس ہو چکے تھے نکاح کے بعد سے۔



فارہ میسرز پر کھڑی تھی۔ لان میں فائز کو ایزی موڈ میں بیٹھے دیکھا تو فوراً لان میں آئی۔

”السلام علیکم بھائی۔“

”وعلیکم السلام۔ میری جان۔“ وہ مسکرایا۔

”آپ تو عید کا چاند ہو گئے ہیں بھائی۔“ فارہ مسکرائی۔

”ہاں بھئی۔ ویسے تو کوئی پوچھتا نہیں۔ ہم نے سوچا ایسے ہی سہی۔“ وہ بھی بہن کا اچھا موڈ دیکھ کر خوش ہوا۔

”کیوں جناب۔ آپ کی مسز ہیں نا پوچھنے والیں۔“
فائز کی مسکراہٹ سمٹی۔ فارہ دیکھ چکی تھی اس کی سمٹی مسکراہٹ۔
”بھائی؟“

”ہوں۔“
”بھائی۔ محبت کرتے ہیں نا مجھ سے۔“ مصومت سے پوچھا۔
فائز مسکرایا۔

”یہ بھی پوچھنے کی بات ہے۔ سویٹ گرل۔“ فائز نے اس کے سر پر چپٹ لگائی۔
”جانتی ہوں۔ پھر بھی یقین دہانی چاہیے۔“
”تو پھر لیجیے یقین دہانی۔“ وہ ہنسا۔
”بھائی۔ بی سیر لیس۔“

”او کے ڈیر۔ ایم سیر لیس۔“ فائز نے منہ پر ہاتھ پھیر کر سیر لیس ہونے کا یقین دلایا۔

فارہ مسکرائی۔ ”او کے۔ آپ میری خاطر بھابھی کی سزا ختم کر دیں بھائی۔ جس وجہ سے دے رہے تھے وہ مسئلہ حل ہو چکا ہے۔ میرا نکاح ہو گیا ہے بھائی۔ پھر اب کیوں؟“
”میں کچھ غلط نہیں کر رہا۔ میرا دل ہی اب پہلے جیسا نہیں رہا۔“ آہستگی سے بولا۔

”بھائی پلیز۔ ایسا مت کہیں۔ محبتوں میں تو بہت گنجائش ہوتی ہے۔ اور بھابھی تو آپ کی بیٹی کی ماں بھی ہیں۔ آیت کی خاطر ہی سہی بھائی۔ اس سب کا اثر آیت پر بھی ہو رہا ہے وہ باتوں کو سمجھنے لگی ہے اس لیے پلیز بھائی، پہلے جیسے بن جائیں ناں۔“ فارہ منمنائی۔

”او کے۔ جناب۔ اتنی بڑی سفارش آئی ہے۔ اب تو کچھ سوچنا ہی پڑے گا۔“ فائز مسکرایا۔
”ایگزیکٹو۔“ فارہ ہنسی۔

رمشا کمرے کی کھڑی سے دیکھتی دونوں بہن بھائی کی مسکراہٹ دائمی ہونے کی دعا مانگنے لگی۔



عائش نے جاب سے ریزائن کر دیا تھا اور پاکستان واپسی کی ٹکٹ کنفرم کروائی تھی۔ آئمہ کو ریزائن کا پتہ چلا تو عائش کے اپارٹمنٹ چلی آئی۔ عائش اسے دیکھ کر حیران سا کھڑا تھا۔

”عائش۔ می آئمہ۔ آئمہ عباس۔“ آئمہ نے اس کی حیرت دیکھ کر تعارف کرانا ضروری سمجھا۔ عائش ہلکا سا مسکرایا۔ ایسے تعارف پر۔

”اودہ۔ یہ تو ہنستا بھی ہے۔“ آئمہ نے دل میں سوچا۔

”آپ؟“

”جی میں۔ کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟“

”اودہ سوری۔ جی ضرور۔“

وہ پیچھے ہٹا۔ آئمہ اپارٹمنٹ کا جائزہ لیتی ہوئی لاؤنج میں آئی۔

”آپ یہاں کس سلسلے میں؟“

”عائش! تم نے ریزائن کیوں دیا؟“ وہ اصل بات پر آئی۔ ”کہیں میری وجہ سے تو.....“

”نو، نو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ عائش جلدی سے بولا۔

”آئی ایم گونگ بیک ٹو ہوم دیش واسے آئی ریزائنیڈ۔“ عائش نے ڈیٹیل بتائی۔

”اوکے۔ میں سمجھی۔ شاید تم کیوں جا رہے ہو واپس۔ پلیز رز..... مت جاؤ۔“ فرمائش کی گئی۔

عائش اس کے انداز پر چونکا۔

”دیکھو عائش۔ آئی.....“

”آئمہ۔“ عائش نے جلدی سے بات کاٹی۔ ”میں یہاں ہمیشہ کے لیے نہیں آیا تھا۔ کچھ وقت کے لیے آیا

تھا اور وہ وقت گزر چکا اب مجھے جانا ہی ہے میری فیملی ہے وہاں۔“

”پھر نہیں آؤ گے کیا؟“ امید سے پوچھا گیا۔

”نہیں۔“ ٹکا سا جواب ملا۔

”رابطہ رکھو گے مجھ سے۔ دیکھو عائش۔ کچھ اور نہ سبھی پلیز۔ تم مجھ سے دوستی ہی کر لو۔ عائش پلیز آئی وانٹ ٹو

بی یور فرینڈ نا۔“ وہ ہلتی ہوئی۔

”میں لڑکیوں سے دوستی نہیں کرتا۔ ڈونٹ ماسنڈ۔“ عائش کا انداز دو ٹوک تھا یعنی بس اب اور کچھ نہیں۔
کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولی۔

”او کے عائش۔ ایز یوش بٹ آئی۔“ وہ رکی۔

”اٹس او کے۔“ وہ افسردہ سا مسکرائی۔

”میں چلتی ہوں۔“

”میں چائے لاتا ہوں۔“ عائش نے سرسری سا پوچھا۔

”نو پلیز۔ میں چائے نہیں پیتی۔ او کے، ہائے۔“ وہ پرس اٹھاتی شکستہ سی چل دی۔

عائش نے لمبا سا سانس کھینچ کر خود کو ریلیکس کیا۔



”پاپا۔“

”ایس پاپا زڈول۔“

فائز اس وقت آیت کو بیڈ پر پاس بٹھائے اس کے بالوں میں انگلیاں چلا رہا تھا۔

”پاپا۔ انعم ہے ناں۔ میری فرینڈ۔“

”ہاں ہے۔“ فائز نے بیٹی کی ہاں میں ہاں ملائی۔

رمشا بھی کمرے میں موجود ان باپ بیٹی کی طرف ہی متوجہ تھی۔ جو کافی دن بعد اس طرح بے تکلف سے بیٹھے تھے۔

”پاپا۔ انعم کا چھوٹا بھائی آیا ہے۔“

”کہاں سے؟“ فائز فوری سمجھ نہ سکا اس لیے بے کسا سوال کیا۔

”او وہو پاپا۔ اللہ میاں نے دیا ہے۔“ باپ کی معلومات میں اضافہ کیا گیا۔

”اوہ ایس۔ تو پھر۔“ فائز مسکرایا۔

”پاپا۔ شی از گونگ ٹوبی پراؤڈ۔“ منہ بنایا۔

”ہم۔ آپ جیلس فیل کر رہی ہیں؟“

رمشا دلچسپی سے سب سن رہی تھی۔

”یاہ۔ فیلنگ جیلس۔“ آیت نے سچ بتایا۔

”اوہ نو۔ اس ناٹ فیمز۔ اب۔ اب کیا کریں ایسا کہ آپ.....“

”پاپا.....“ آیت نے بات کاٹی۔ ”مجھے بھی بھائی چاہیے۔“ ضد ہوئی۔

رمشا جو سن رہی تھی۔ بلش ہوئی۔ فائز کی نظر اس کے بلش چہرے پر پڑی تو فوراً نظریں چرائیں۔

”او کے سویٹ ہارٹ۔ کچھ سوچتے ہیں اس بارے میں۔ اب آپ چلو روم میں سوؤ جا کر۔ صبح سکول بھی جانا

ہے۔ ہری اپ۔“

”او کے۔ پاپا۔ گڈ نائٹ۔“

”گڈ نائٹ سوئی۔“

دونوں باپ بیٹی نے کسز کا تبادلہ کیا۔ رمشا بھی فوراً آیت کے ساتھ ہی باہر نکلی۔ اس کی جلدی پر فائز بے

اختیار مسکرا دیا۔



عائش نے اسجد کو پاکستان واپسی کے بارے میں انفارم کر دیا تھا۔ اسی لیے اسجد اس وقت اس کے اپارٹمنٹ

میں موجود تھا۔

”واپس جا کر کیا کرے گا۔“ وہ افسردہ سا بولا۔

”یہاں رہ کر کیا کروں گا یا۔ میں ہمیشہ کے لیے تھوڑا ہی آیا تھا۔ مائی فرینڈ، تو نے مجھے بہت سپورٹ کیا

ہے اور میں تیرا احسان کبھی بھی نہیں بھولوں گا۔ ڈئیر۔“ عائش نے مسکرا کر اس کے کندھے پر دھپ ماری۔

”آئی ول بی مس یو۔ جانی۔“ وہ ابھی بھی افسردہ تھا۔

”ہاہاہاہا۔ ڈئیر۔ اتنا افسردہ کیوں ہے۔ نہ تو میں تیری گرل فرینڈ ہوں اور نہ تو میری۔“ عائش نے اس کا موڈ

فریش کرنا چاہا۔

”عائش تو ایسے ہی ہنستا مسکراتے رہتا۔ اوکے۔ اور اب وہاں جا کر کوئی نیا پنکا مت شروع کرنا۔ جو ہو چکا اس کو چھوڑ کر آگے کا سوچنا۔ اور ایک اور ریکویسٹ ہے میری۔“ اسجد شجیدہ سا بولا۔

”ریکویسٹ کیوں یار۔ حکم کر۔ حکم۔“ عائش فراخ ہوا۔

”تو۔ عائش، تو واپس جا کر فارہ کے معاملے میں ٹانگ نہیں اڑائے گا۔ اس کا بھی حق ہے خوشیوں پر۔ اس لیے اسے اب جینے دے اس کے اپنے طریقے سے۔ یار سمجھ رہا ہے ناں۔“

”اوکے۔ میں ایسا ہی کروں گا۔“ عائش پیا پچہ بنا۔

”گڈ جانی۔“ وہ مسکرایا۔

”ہاں۔ تو اب بتا۔ ڈائرینگ کیمنے۔ جانے سے پہلے ذکر کردار ہا ہے ناں تو۔ کب اور کہاں؟ ٹیل می۔“ اسجد ٹون میں آچکا تھا۔

”کروادوں گا یار۔ یہ بھی کوئی بات ہے تو جہاں کہے گا وہیں۔“ عائش سخی ہوا۔

”چل۔ پھر کل کا ڈنر ڈن۔“ اسجد نے ڈن کیا

”اوکے ڈن۔ عائش مسکرا دیا۔

وہ دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔



سکندر ولا میں اس وقت سکندر صاحب اور مسز سکندر سنڈے کی وجہ سے لیٹ ناشتہ کر رہے تھے۔ سکندر صاحب ساتھ میں اخبار بھی دیکھ رہے تھے اسی لیے انہیں پتہ نہ چل سکا کہ وہاں کون داخل ہوا ہے۔ مسز سکندر کی نظر اٹھی اور ساکت رہ گئی۔ دروازے میں عائش کھڑا تھا۔

”ع۔ عائش۔ تم۔“ وہ ہکلائیں۔

سکندر بھی متوجہ ہوئے۔

”تم۔ تم یہاں کس لیے آئے ہو؟“ وہ گرجے۔

”بابا۔ وہ.....“

”میں تمہارا باپ نہیں ہوں۔ سمجھے۔ اور نہ تمہیں جانتا ہوں اس لیے جہاں سے آئے ہو وہیں چلے جاؤ واپس۔ اس گھر میں اب کوئی جگہ نہیں تمہارے لیے۔“

”بابا۔ ایک بار پلیز میری بات سن لیں۔“ وہ ہنسی ہوا۔

”ڈونٹ کال می بابا۔ آئی ایم ناٹ یور فادر۔ ناؤ گیٹ آؤٹ فرام مائی ہاؤس۔“ وہ دھاڑے۔

”سکندر، پلیز سن لیں کیا کہہ.....“

”آپ چپ رہیں۔ آپ جیسی مائیں ہی نا جائز سپورٹ سے اولاد کو بگاڑتی ہیں۔ میں جا رہا ہوں ہاشم (فرینڈ) کی طرف۔ واپسی پر یہ لڑکا مجھے اس گھر میں نظر نہ آئے۔ اور اگر آپ کو زیادہ پیار آئے۔ تو آپ بھی جا سکتی ہیں بیٹے کے ساتھ۔ انڈر شیٹڈ۔“ سکندر نے بات مکمل کی اور تیزی سے باہر نکل گئے۔

وہاں اب وہ ماں بیٹا ہی رہ گئے۔



رمشا کافی دیر سے کروٹیں بدل رہی تھی۔ اب تو نیند بھی مشکل سے ہی آتی تھی۔ جب سے وہ دشمن جاں سنگدل ہوا تھا۔ رمشا ٹھیک سے سو نہیں پاتی تھی۔ اب بھی کروٹیں بدل بدل کر تھک گئی تھی۔

فائز کروٹ بدلے ہوئے تھا مگر غافل ہرگز نہ تھا۔ وہ رمشا کی بے چینی محسوس کر چکا تھا لیکن خاموش تھا۔ رمشانے تھک ہار کر فائز کی طرف کروٹ لی اور اس کی پشت پر نظریں جمادیں۔

”کتنا برا کر رہے ہیں فائز۔ کاش کہ آپ کو احساس ہو۔ یوں بچے راستے میں چھوڑنے والے کو بیوفا کہتے ہیں۔ بس کر دیں فائز، میں آج بھی خطر ہوں آپ کی۔ بس ایک بار۔ ایک بار ہاتھ بڑھالیں۔ میں سب کچھ بھلا دوں گی۔“ رمشا کی آنکھوں سے نمکین پانی رواں ہوا۔ فائز اس کی نظروں کی تپش اپنی پشت پر محسوس کر چکا تھا۔

”کیا مجھے سب بھلا کر رمشا کی طرف بڑھنا چاہیے یا پھر۔“ وہ کچھ سوچتا کہ رمشا کی ہلکی سنائی دی۔ بس یہی لمحہ اسے کمزور کر گیا۔ فائز نے رمشا کی طرف سائیڈ لی۔ رمشانے اسے اپنی طرف کروٹ لیتے دیکھ کر جلدی سے آنکھیں زور سے میچ لیں لیکن اس کی چوری پکڑی گئی تھی۔

لرزتی ہوئی گیلی پلکیں، کپکپاتے ہونٹ، سرخ ہوتی ناک۔ یہ سب اس کی چوری پکڑوا چکے تھے۔

فائز کے لیے اب خود پر کنٹرول رکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ اسی لیے آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر رمشا کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

رمشا کٹے پتنگ کی مانند کھینچتی چلی گئی۔ فائز نے اسے اپنے حصار میں لیا۔ رمشا کے لیے اب مزید صبر مشکل تھا۔ اس نے فائز کی شرٹ کو جکڑا اور اس کے سینے پر سر رکھے ہچکیوں سے رونے لگی۔ زار و قطار۔

فائز اس کے سر کو تھپک رہا تھا، اسے چپ کر وارہا تھا۔

”فا۔ فائز۔ آپ۔ آپ نے.....“

”اوں ہوں۔“ فائز نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش کر دیا۔

”اب اور کچھ نہیں۔“ ہاتھ پر بوسہ دیا اور کان کے پاس سرگوشی کی۔

”سٹل لو یو آلوٹ۔“ اور رمشا کو خود میں بھینچ لیا۔

رمشا پر سکون تھی، خوش تھی۔ وہ دشمن جاں نجانے کتنے عرصے بعد مہربان ہوا تھا۔

باہر چاند بھی ان کے ملاپ پر خوشی سے شرما دیا۔



عائش نے کچھ رلا کر اور کچھ رو کر آخر کار ماں کو منا ہی لیا تھا۔ وہ بھی ماں تھیں۔ کیسے جوان بیٹے کو روتا دیکھتیں اس لیے معاف کر دیا۔

”ممی۔“

”ہوں۔“ وہ عائش کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں۔ اس کا سر ان کی گود میں تھا۔

”میں۔ میں نے بہت غلط کیا۔ سب کے ساتھ۔ کیا، کیا سب مجھے معاف کر دیں گے۔“ بڑی امید سے پوچھا گیا۔

”ہاں۔ شاید۔“ وہ پریشان سی بولیں۔

”ماں۔ میں۔ فا۔ فارہ سے بھی معافی مانگ لوں گا۔“ وہ جلدی سے بولا۔

”نہیں۔ نہیں عائش۔ تم فارہ کے پاس نہیں جاؤ گے۔ وہ بہت مشکل سے نکلی ہے اس فیزی۔ کہیں پھر سے۔ نن۔ نہیں تم وہاں ہرگز نہیں جاؤ گے اور نہ ہی فون پر بات کرو گے۔ بھول جاؤ سب۔“

”کیسے بھول جاؤں سب۔ نہیں بھلا سکتا میں اسے۔ وہ۔ وہ میرے حواسوں پر سوار ہو چکی ہے۔ ہر۔ ہر طرف دکھتی ہے مجھے وہ۔ ماں۔ میں نہیں بھول سکتا ہوں۔ مجھے محبت ہو گئی ہے اس سے۔ مجھے میرے کیسے کی سزا مل گئی ہے۔ مجھے سکون نہیں ملتا۔ ماں۔ میں کیا کروں۔ مجھے بتائیں میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔ ہر جگہ وہ ہے۔ ہر جگہ.....“

عائش ماں کی گود میں سر رکھے اپنی بے بسی پر رو دیا۔ مسز سکندر بیٹے کے انکشاف پر ششدر سی بیٹھی رہ گئیں۔

”مجھے محبت ہو گئی ہے اس سے۔“

یہ کیا کہہ رہا تھا وہ۔ مشکل بولنے کے قابل ہوئیں۔

”عائش! آج تم نے میرے سامنے یہ اعتراف کر لیا ہے۔ دوبارہ تمہارے منہ سے ایسی کوئی بات نہ نکلے۔ سمجھ گئے۔ پہلے اس کے ماتھے پر طلاق کا ڈیٹا لگا گئے اور اب۔ نہیں عائش وہ اب کسی اور کی امانت ہے۔ وہ منکوحہ بن گئی ہے کسی اور کی۔ اب تمہاری ایسی کوئی بھی بات پھر سے اس کی زندگی میں طوفان لائے، یہ میں برداشت نہیں کروں گی۔ سمجھے۔ اب اس بات کو ذہن میں بشا لو اچھی طرح۔ فارہ اب تمہاری کبھی نہیں ہو سکتی۔ سنا تم نے۔“ مسز سکندر نے واضح الفاظ میں سمجھایا۔

”جانتا ہوں۔“ مدھم سی بوجھل آواز آئی۔

میری	محبتیں	بھی	عجیب	تھیں
میرا	فیض	بھی	کمال	پر
کبھی	سب	ملا	بنا	طلب
کبھی	کچھ	نہ	سوال	پر

”اچھی بات ہے۔“ انہوں نے بیٹے کے ماتھے کا بوسہ لیا۔ دل میں وہ بہت افسردہ ہو گئی تھیں۔ عائش کو اس حالت میں دیکھ کر۔ پران کے بس میں کچھ نہ تھا اب۔

”ہیلو ایوری ون۔“ رامش کی فریش آواز سنائی دی۔

”ارے رامش بیٹا۔ تم۔“ مسز سکندر خوش ہوئی۔

”جی میں۔ السلام علیکم! کیسی ہیں۔“ ماں کو گلے لگایا۔

”میں ٹھیک۔ اچانک.....“ وہ حیران تھیں۔

”بس آپ کے اس صاحبزادے کی وجہ سے آنا پڑا۔“ اس نے عائش کی طرف اشارہ کیا اور اس کی جانب

بڑھا۔

دونوں بھائی گلے ملے۔ رامش نے نوٹ کیا۔ عائش بہت ویک اور مرجھایا ہوا سا تھا۔ اسے دکھ ہوا عائش کی

یہ حالت دیکھ کر۔

”بہو۔ بچوں کو بھی لے آتے۔“

”لے آتا مگر بچوں کے انگریز چل رہے ہیں اس لیے ثمرہ کو بچوں کے پاس چھوڑنا پڑا۔ اپنی وے آپ کا

بیٹا آگیا ہے۔ کیا یہ کافی نہیں۔“ وہ مسکرایا۔

”ہاں۔ میں بہت خوش ہوں آج میرے دونوں بیٹے میرے پاس ہیں۔“ انہوں نے مسکرا کر دونوں بیٹوں

کو دیکھا۔

”تو پھر کھانے پانی کا بندوبست کریں۔ آپ کے ہاتھ کا کھانا کھائے بہت دن ہو گئے۔“ رامش نے

انگڑائی لی اور ساتھ ماں کو مکھن لگایا۔

”ہاں جانتی ہوں سب۔ مکھن باز۔“ انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا اور مسکراتی ہوئی کچن میں چل

دیں۔

رامش، عائش کی طرف متوجہ ہوا جو ہاتھوں میں سرگرائے بیٹھا تھا۔

”عائش۔“ اس نے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”ہوں۔“ وہ چونکا۔ ”جی کچھ کہا آپ نے؟“ سوال کیا۔

”نہیں۔“

”بابا سے ملاقات ہوئی؟“ رامش نے پوچھا۔

”جی۔“ مختصر جواب آیا۔

”کیا کہا انہوں نے؟“

عائش نے ساری بات بتائی۔

”بھائی اب.....“ وہ فکر مند ہوا۔

”تم ٹینشن مت لو۔ میں اسی لیے تو آیا ہوں۔ میں کرلوں گا ہینڈل۔ ہوں۔ بی ریلیکس۔“

عائش نے سر ہلا دیا۔

رامش باپ کو قائل کرنے کے الفاظ ترتیب دینے لگا۔



رمشا نہا کر بال برش کر رہی تھی کہ فائز جو گنگ کر کے واپس کمرے میں آیا۔ رمشا جھجکی۔ جیسے نئی نوپلی دلہن ہو۔ فائز نے اسے شرماتے اور بلش کرتے دیکھا تو مسکراتا ہوا اس کے پیچھے آکھڑا ہوا۔

رمشا نے نظریں جھکا دیں

”آہم۔ ہم آپ کے محرم ہیں محترمہ اور وہ بھی خاص۔“ فائز نے لفظ خاص پر زور دیا۔

رمشا بھی بھی زمین کو دیکھ رہی تھی۔ فائز نے کندھے سے پکڑ کر اسے اپنی طرف موڑا۔

”مشا۔“ پیار سے پکارا گیا۔

”جج۔ جی۔“

”گھبرا کیوں رہی ہو۔ ہم تو اس میدان کے پرانے کھلاڑی ہیں ناں۔“ اسے کنفیوز کرتے حصار میں جکڑا۔

”فا۔ فائز۔“ رمشا واقعی ایسے گھبرا رہی تھی جیسے آج شادی کے بعد پہلا دن ہو۔

”جی جان فائز۔“ ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر چہرہ اونچا کیا گیا۔

رمشا نے اس کی آنکھوں میں وہی کچھ دیکھا جو وہ دیکھنے کو ترس گئی تھی۔

”آپ نے مجھے معاف کر دیا نا۔“ یقین چاہا۔

”میں نے خود کو معاف کر دیا۔ جان۔“ گھمبیر جواب آیا۔

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ۔“ فائز اس کے چہرے پر جھک کر ایک ایک نقش کو اپنے ہونٹوں سے چھونے لگا۔

”فا۔ فائز۔ چھوڑیں۔ چھوڑیں ناں۔“ رمشا اس افتاد پر شیشائی۔ اس سے پہلے کہ فائز آؤٹ آف کنٹرول

ہوتا، دھاڑ سے دروازہ کھلا۔

”مما۔“ آیت کی آواز آئی۔

فائز کی گرفت ڈھیلی پڑی۔ رمشا جلدی سے دور ہوئی۔

”ہاں۔ ہاں۔ کیا ہوا؟“ وہ گھبرائی یوں جیسے چور چوری کرتے پکڑا گیا ہو۔

”ریلیکس یار۔ ہمارا ہی پیس ہے۔“ فائز نے آنکھ ماری۔

”آپ چپ رہیں۔“ رمشا نے اسے تھڑا۔

وہ ہنسنے لگا۔

آیت دونوں کو اپنی طرف متوجہ نہ پا کر چلائی۔

”میں ڈیڈ (وہ بھی باپ کی دیکھا دیکھی سجاد کو ڈیڈ کہتی تھی) کو بتاتی ہوں جا کر کہ آپ ممما کو.....“ وہ دھمکی دے

کر بھاگی۔ اس سے پہلے کے نیچے جا کر سب کے سامنے خبر نشر کرتی، فائز نے سیڑھیوں پر پکڑ لیا۔

”کیا بتاؤ گی ڈیڈ کو؟“ وہ رعب سے بولا۔

”یہی کہ آپ ممما کو۔“ وہ رکی۔

”آیت۔“ وہ غصے سے بولا۔

”نہیں بتاؤں گی۔“ مصحومیت سے بولی۔

فائز جانتا تھا۔ وہ کچھ نہ کچھ ضرور دیکھ چکی ہے اسی لیے دھمکی دے رہی تھی۔

آیت نے باپ کو گھورتے دیکھا تو کان پکڑ کر سوری کی۔

”او کے جاؤ۔“ فائز نے کہا۔

وہ تین سٹیپ اتر کر مڑی۔

”پاپا۔ میں اب ناک کر کے آیا کروں گی۔“ اور ہستی ہوئی یہ جا۔ وہ جا۔

”اؤف۔ یہ پانچ کی ہے یا پچاس کی؟“ فائز نے حیرت سے پاس کھڑی رمشا سے پوچھا۔

”آپ جانتے ہوں گے۔ آپ کا پس جو ہے۔“ وہ اسی کی بات لوٹاتی ہستی ہوئی سیڑھیاں اتر گئی۔

فائز بھی حیرت زدہ سا مسکرا دیا۔



رامش نے نجانے باپ کو کیا کہہ کر قائل کر لیا کہ وہ خاموش ہو گئے تھے۔ دوبارہ عائش کو نہ تو گھر سے نکلنے کو کہا اور نہ ہی کوئی لعن طعن کی۔ رامش جاتے ہوئے عائش کو بھی سمجھا گیا تھا کہ بابا اگر کچھ کہیں تو تحمل اور خاموشی سے سن لینا اور پلٹ کر کوئی جواب نہ دینا۔

عائش یہ بات اچھے سے سمجھ چکا تھا۔

باپ اور بیٹے کی ملاقات بھی کم ہی ہوتی تھی۔ عائش کی جاب کی تلاش جاری تھی کیونکہ سکندر صاحب نے ابھی معاف نہیں کیا تھا تو آفس میں اس کے لیے کوئی جگہ بھی نہ تھی۔

رمشا بھی سکندر والا نہ آئی تھی۔ جب سے اسے عائش کی واپسی کا پتہ چلا تھا۔ وہ خفا تھی اور خفا ہی رہنا چاہتی تھی اس سے۔



آج داؤد کی فیملی آرہی تھی سجاد ہاؤس۔ شادی کی تاریخ قائل کرنے۔ اسی سلسلے میں تیاریاں جاری تھیں۔ رمشا بات بے بات مسکرا رہی تھی اور قارہ اس بات کو نوٹ کر چکی تھی۔

”بھابھی۔ آج بہت خوش نظر آرہی ہیں۔ خیریت۔“ قارہ نے معنی خیزی سے کہا۔

”بالکل۔ تمہارے سسرال والے جو آرہے ہیں۔“ وہ مسکرائی۔

”سسرال والے میرے آرہے ہیں اس حساب سے مجھے بتیسی نکالنی چاہیے نہ کہ آپ کو۔“

”تو نکالو تم بھی میں نے منع تھوڑی کیا ہے۔“ رمشا نے جواب دیا۔

”مجھے شک سا ہو رہا ہے بھابھی، اس لیے سچ سچ بتائیں۔ کیا بات ہے؟“ فارہ ابھی بھی بے یقین تھی۔
 ”تمہارے بھائی سے صلح ہو گئی ہے۔“ رمشانے شرماتے، مسکراتے بتایا۔
 ”اووووووووو۔“ فارہ ہنسی۔ ”مبارک ہو بھابھی۔ بہت بہت۔“
 فارہ رمشانے گلے لگی۔

”بہت اچھی نیوز دی ہے آپ نے۔“ فارہ دل سے خوش ہوئی اس بات پر۔
 ”ہاں۔ میں بھی بہت خوش ہوں فارہ۔ اور اللہ تمہیں بھی بہت زیارہ خوشیاں دے۔ آمین۔“
 ”آمین۔“ فارہ نے دل سے کہا۔



ایک ماہ بعد کی تاریخ فائنل کی گئی۔
 سجاد ہاؤس میں راحیلہ بیگم ہر چیز دوبارہ سے اور نئی تیار کروا رہی تھیں۔ ہر کوئی خوش اور مطمئن تھا۔
 یوں ہی ہنسی خوشی رخصتی کا دن آن پہنچا۔
 فارہ ریڈ اور بیلو کنٹراس کے لپٹکے میں سوگوار سی بہت پیاری لگ رہی تھی۔
 سب کی دعاؤں کے سائے تلے اسے پیادیس رخصت کر دیا گیا۔



داؤد کا گھر کوئی بہت بڑا اور خاص نہ تھا بس ویسا ہی تھا جیسا چھوٹا سا مل کلاس گھر ہوتا ہے۔ فارہ کو وہاں کی
 صفائی ستھرائی پسند آئی۔ ہر چیز سلیقے سے سیٹل تھی۔ بالکل کسی قسم کا کوئی ادھم نہیں تھا۔ جیسا اکثر شادیوں پر ہوتا
 ہے۔

فارہ کی بڑی نند (جو بیوہ اور دو بیٹوں کی ماں تھی اور داؤد کے گھر ہی رہائش پذیر تھی) نے فارہ کو داؤد کے
 کمرے تک پہنچایا۔
 فارہ جھکتی ہوئی بیڈ پر بیٹھ گئی۔
 ”فارہ۔“

”جی۔“

”کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا۔ تمہارے کپڑے الماری میں موجود ہیں۔ اور ہاں میں دودھ بھجواتی ہوں،

پی لینا۔ ہاں۔“

”جی۔“ فارہ نے آہستگی سے کہا۔

”چلو پھر میں چلتی ہوں۔“ وہ سر پر ہاتھ رکھ کر تھپک کر چلی گئی۔ سارہ کے جانے کے بعد فارہ کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

بیڈ، ڈریسنگ، صوفہ، الماری اور ایک کھڑکی تھی ساتھ جوگلی میں کھلتی تھی۔ بائیں طرف شاید واش روم کا دروازہ تھا جو بند تھا اس لیے وہ جان نہ پائی کہ واش روم ہے یا کچھ اور۔

جائزہ مکمل کر کے وہ بیڈ کراؤن سے فیک لگا کر سوچنے لگی۔ اپنی اب تک کی زندگی کا ہر پرل۔

”یا میرے مالک۔ میرے دل میں داؤد کی محبت ڈال دے۔ میں گنہگار نہیں ہونا چاہتی۔ پلیز اللہ جی۔ مجھے ہر آزمائش سے نکال دے۔ میرے دل کے ہر کونے میں داؤد کا نام لکھ دے۔ وہ میرے مقدر میں لکھ دیا ہے تو نے۔ میرے مالک۔ مجھے اپنے مقدر پر صبر کرنے کی توفیق دے۔ اور.....“

دعا بیچ میں ہی رہ گئی۔ دروازہ کھلا۔

فارہ جلدی سے سیدھی ہوئی۔ داؤد آہستگی سے چلتا فارہ کے پاس آ کر بیٹھا۔
”السلام علیکم!“

فارہ نے مدھم سا جواب دیا۔

”کیسی ہیں آپ؟“

”جی ٹھیک۔“

”فارہ۔ مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔“ داؤد نے اجازت چاہی۔

”جی۔ کریں۔“

”فارہ۔ میری فیملی آپ کی پہلی شادی سے لاعلم ہے۔“

فارہ کے دل پر گہری چوٹ پڑی یہ سن کر۔

”ایکچو لی۔ سجاد سر نے مجھ سے ہر بات شیئر کر لی تھی۔ مجھے کوئی اعتراض نہ تھا۔ اس لیے فیملی کو ان لوگوں نہیں کیا اور آپ سے بھی یہی کہوں گا کہ یہ بات آج یہاں ہی دفن ہو جائے۔ ہمارے درمیان بھی دوبارہ اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں ہوگی۔ آپ سمجھ رہی ہیں ناں میری بات۔“ داؤد نے استفسار کیا۔

”جی۔“ وہ مشکل سے جی کہہ پائی۔

”مجھے اس بات کو ڈیٹیل میں جاننے کی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ۔ آج سے میری بیوی ہیں۔ میرے لیے یہ بات اہم ہے۔“ وہ خاموش ہوا

فارہ کبھی شاید تائید چاہ رہا ہے اپنی بات کی۔ فارہ نے ”جی“ کہہ کر ہاں میں سر ہلایا۔ داؤد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھری۔ اس نے فارہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ فارہ پزل ہوئی۔

”آپ ”جی“ کے علاوہ بھی کچھ اور کہہ سکتی ہیں۔“

”کیا؟“ وہ بے اختیار بولی۔

”مثلاً۔ آپ مجھے.....“ وہ رکا۔

”نن۔ نہیں۔ مجھے۔ مجھے کچھ نہیں کہنا۔“ فارہ گھبرائی۔ عائش نے بھی کچھ اسی طرح کے الفاظ کہے تھے اور پھر۔

فارہ کا دل کانپا۔ وہ فوراً ہاتھ چھڑوا کر دور ہٹی۔ داؤد اس کی حرکت پر حیران ہوا۔

”ریلیکس فارہ۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ کچھ بھی آپ کی مرضی کے خلاف نہیں ہوگا۔“ داؤد یہی سمجھا شاید وہ اس کی نزدیکی سے گھبرائی ہے۔

”اپنی دے۔ آپ چیخ کر کے ریلیکس ہو جائیں۔ میں آپ کو ہرگز تنگ نہیں کروں گا۔“ داؤد کے ہونٹوں پر مدہم مسکراہٹ دیکھ کر فارہ نظریں جھکا گئی۔

داؤد اٹھا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔



وہ کمرے میں واپس آیا یا نہیں فارہ کچھ نہیں جان سکی۔ وہ چہنچ کر کے لیٹی ہی تھی کہ پتہ نہیں کیسے اس کی اتنی جلدی آنکھ لگ گئی اور اب سارہ کے جگانے پر جاگی تھی۔

”فارہ۔ اٹھ جاؤ۔ تمہارے گھر والے آئے ہیں ناشتہ لے کر اس لیے جلدی سے فریش ہو کر آ جاؤ۔“

”جی۔ میں آتی ہوں۔“

فارہ حیران ہو رہی تھی اتنی گہری نیند۔ وہ بھی مجھے؟ اب ایسی نیند کہاں تھی اس کی قسمت میں۔ جب سے ڈائیورس ہوئی تھی۔ فارہ کہاں سو سکی تھی چین کی نیند۔ اور آج اتنے عرصے بعد وہ بھرپور نیند لے کر اٹھی تھی۔ اسی لیے فریش تھی۔

”فارہ کی ہنسی اٹھ جاؤ اب۔ کیا ساری رات جاگی ہو؟“ رمشا شریر ہوئی۔

رمشا پتہ نہیں کب روم میں آئی فارہ کو اپنی سوچوں میں پتا ہی نہ چلا۔

”بھابھی آپ۔“ وہ چوکی۔

”جی بالکل۔ تم کسی اور کا انتظار کر رہی تھی کیا؟“ رمشانے پلکوں کو اوپر کو حرکت دے کر پوچھا۔

”بھابھی! فضول باتیں مت کریں۔“ وہ رعب سے بولی۔

”فضول ہیں تو اہم باتیں تم ہی بتا دو۔“ رمشانے اس کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔

”اووف۔ بھابھی، چھوڑیں۔ چھوڑیں ناں۔ پیچھے ہٹیں۔“ فارہ خود کو چھڑوانے لگی۔

رمشا کا قبضہ بلند ہوا۔

”کیا ہوا؟“ فارہ حیران ہوئی۔

”وہ۔ اصل میں۔ میں بھی تمہارے بھائی کو ایسے ہی کہتی ہوں۔“ رمشا پھر سے ہنسنے لگی۔

”اللہ۔ بھابھی کس قدر بے شرم ہیں آپ۔“ فارہ سرخ ہوئی۔

”اوئی ماں۔ تم تو ایسے بلش کر رہی جیسا کہ میں داد دہوں۔“

”بھابھی۔“

”جی جان بھابھی۔“ اک ادا سے کہا گیا۔

”اووف۔ جائیں یہاں سے میں آرہی ہوں۔“ وہ چڑی۔

”فارہ سن۔“

فارہ جلدی سے واش روم میں بند ہوئی کہ کہیں وہ کوئی اور گل افشانی نہ کر دے۔

”بڑی بدتمیز ہو گئی ہو ایک ہی رات میں۔ خیر بیٹا۔ چھوڑنے والی تو میں بھی نہیں۔“ رمشا نے ہاتھ جھاڑے اور باہر آ گئی۔



فارہ ناشتے کے بعد سجاد ہاؤس آگئی تھی۔ شام کو واپس جانا تھا اور وہ ہر ممکن طریقے سے رمشا سے بچ رہی تھی۔

”بھابھی نے اگر کچھ پوچھا تو کیا بتاؤں گی میں؟ واؤڈ نے تو کوئی گفٹ بھی نہیں دیا۔ جو دکھا کر انہیں مطمئن کر دوں۔ پتہ نہیں اب کیا لکھا ہے میری قسمت میں۔“ وہ رو ہانسی ہوئی۔

”فارہ بیٹا۔ اس طرح کیوں بیٹھی ہو۔“ قانز اسے گم سم دیکھ کر اس کی طرف آیا۔

”کچھ نہیں بھائی۔“ وہ بمشکل مسکرائی۔

”واؤڈ کب آرہا ہے لینے؟“

”پتہ نہیں۔ میری بات نہیں ہوئی ان سے۔“ فارہ بہت ہلکی آواز میں بولی جو مشکل سے قانز سن سکا۔

”تو کرو بات۔ فون کر کے پوچھو۔ شام تو ہو چکی ہے۔ واؤڈ کی سسٹر کا ولیمہ بھی تو ہے رات کو۔“

”جی۔ جی۔“

فارہ کیسے کرتی فون۔ نمبر ہی نہ تھا واؤڈ کا اس کے پاس۔ قانز نے اسے ہنوز بیٹھے دیکھا تو بولا۔

”یہ لو فون اور کال کر دو۔“ اس نے اپنا سیل بڑھایا۔

”میرے پاس نمبر نہیں ہے بھائی۔“ وہ منمنائی۔

”میرے سیل میں سیو ہے۔ کر لو کال اور نمبر بھی لے لو ہاں۔“ قانز نے اس کا سر تھپکا اور چلا گیا۔

فارہ سوچنے لگی کہ کال کر کے کیسے اور کیا کہنا ہے۔ وہ اسی کشمکش میں تھی کہ کمرے نہ کرے کہ ملازم نے بتایا کہ

داؤد صاحب آئے ہیں۔

اس نے شکر کیا۔ بچ گئی اور امی کو بتانے چل دی۔



عائش کو جب سے فارہ کی رخصتی کا پتہ چلا تھا۔ وہ سولی پر لٹکا ہوا محسوس کر رہا تھا خود کو۔ کسی پل چین نہیں تھا اسے۔ عجیب مجنوں کی سی حالت ہو گئی تھی۔ مسز سکندر اس کی حالت دیکھ کر بہت پریشان سی بیٹھی تھیں۔

”کیا ہوا بیگم اس طرح کیوں بیٹھی ہیں۔“ سکندر صاحب بھی لاؤنج میں آئے۔

”میں۔“

”جی آپ۔“

”وہ میں عائش کی وجہ سے پریشان ہوں۔ آپ نے دیکھا کیا حالت ہو چکی ہے اس کی۔“

”اپنی وجہ سے ہی بنی ہے یہ حالت آپ کے لاڈ لے کی۔“ وہ طنز یہ ہوئے۔

”بس کر دیں سکندر۔ معاف کر دیں اسے۔“ وہ رونے لگیں۔

”آپ کیوں رو رہی ہیں۔ میرے خیال میں بالکل ٹھیک ہو رہا ہے اس کے ساتھ۔“

”سکندر پلیز۔ وہ بیٹا ہے ہمارا۔“

”جانتا ہوں۔ اور بیٹا جو کر چکا وہ بھی ازبر ہے مجھے۔“ وہ خفا ہوئے۔

”وہ پچھتا رہا ہے۔“ وہ حمایتی ہوئیں۔

”اب کیا فائدہ؟۔ بہر حال۔ آپ اسے بہلا پھسلا کر اسلام آباد بھیج دیں۔ میں رامش سے کہتا ہوں سنبھال لے گا اسے۔“

جو بھی تھا وہ باپ تھے ظاہر نہیں کرتے تھے تو کیا ہوا، پر اس کے لیے فکر مند ضرور تھے۔



فارہ تانیہ (چھوٹی تند) کے ویسے پر جانے کو تیار ہو رہی تھی جب داؤد کمرے میں داخل ہوا۔

فارہ ہچکچائی۔ مگر مصروف رہی۔

”آپ تیار نہیں ہوئیں اب تک؟“ وہ پاس آیا۔

”جی۔ وہ میں بس تیار ہی ہوں۔“

داؤد نے اس کے پیچھے کھڑے ہو کر آئینے میں اس کا سر تا پا جائزہ لیا۔ فارہ کنفیوز ہوئی۔

”فارہ۔ ایک بات پوچھوں آپ سے؟“ اجازت مانگی گئی۔

”جی۔“

”آپ خوش ہیں اس شادی سے یا پھر؟“

فارہ نے جلدی سے بات کاٹی۔

”میں خوش ہوں۔ آپ پلیز کچھ غلط مت سوچیں۔“ فارہ نے بات کلیئر کی۔

”اوکے۔“

وہ پلٹا اور الماری کی طرف بڑھا۔ وہاں سے کچھ نکال کر واپس فارہ کی جانب آیا۔

”یہ آپ کا گفٹ۔“ ڈبہ بڑھایا گیا۔

”یہ۔ یہ کیا ہے؟“ وہ پھر سے گھبرائی۔

”یہ آپ کی منہ دکھائی۔“

”مم۔ میری منہ دکھائی۔“ فارہ یوں بولی جیسے حواس میں نہ ہو۔

”آریو اوکے فارہ۔“ داؤد نے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”جج۔ جی۔ میں۔ میں ٹھیک ہوں۔“ وہ ہکلائی۔

داؤد اس کی بار بار کی گھبراہٹ سے کھٹک رہا تھا کہ کوئی نہ کوئی مسئلہ ہے ضرور۔

”آپ یہ کھول کر دکھائیں۔“ فارہ سہمی سی بولی۔

داؤد مسکرایا۔ سہمی سی فرمائش پر۔

ڈبہ کھلا۔ اندر ایک خوبصورت سا گولڈ کالاکٹ تھا۔ چین کے پینڈٹ میں ”اللہ“ لکھا جگمگا رہا تھا۔ فارہ یہ

دیکھ کر پرسکون ہونے کیساتھ خوش بھی ہوئی۔ بلاشبہ وہ بہت خوبصورت لاکٹ تھا۔

”پہنا دیں۔“ فارہ بے ساختہ بولی۔
داؤد پھر سے کی جانے والی فرمائش پر کھل کر مسکرایا۔
”او کے۔“

فارہ کے سر کے بال ہٹائے اور بہت احتیاط سے لاکٹ پہنا دیا۔
”تھینک یو۔“ وہ ہلکا سا مسکرائی۔

”مائی پلیمیر۔“ وہ دل پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔ فارہ اس کی حرکت پر مسکرائی۔ فارہ کو مسکراتے دیکھ کر داؤد کو اطمینان ہوا۔

”چلیں۔“ وہ بولی۔
”جی ضرور۔“ آگے پیچھے ہوتے ہوئے وہ دونوں جانے کے لیے نکل گئے۔



مہر سکندر نے عائشہ کو اسلام آباد جانے کو راضی کر لیا تھا۔ عائشہ جانے سے پہلے باپ کو منانا چاہتا تھا اسی لیے وہ سکندر صاحب کے پاس آیا تھا۔
”بابا۔ میں اسلام آباد جا رہا ہوں۔“
”جاؤ۔“ روکھا سا جواب ملا۔

”بابا۔ مجھے معاف کر دیں۔ میں جانتا ہوں میں غلط تھا۔ میری فضول حرکت سے نبجانے کتنے دل ٹوٹے تھے۔ بابا۔ میں ان سب دلوں کو توڑنے کی سزا بھگت رہا ہوں۔“ وہ بھاری آواز میں بولا۔
سکندر کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ آج براہ راست بیٹے کی یہ حالت دیکھ رہے تھے۔ عائشہ نے باپ کو خاموش دیکھا تو فوراً ان کے قدموں میں جھک گیا اور تب ہی اٹھا جب سکندر صاحب نے اسے معاف کر دیا۔ عائشہ کے دل پر دھرے بوجھ میں معمولی سی کمی آئی تھی۔ ابھی اور بھی بہت سے لوگوں سے معافی مانگنا باقی تھا۔
اپنے دل کے بوجھ کو کم کرنے کی لیے۔



فارہ کی شادی کو دو ماہ سے اوپر ہو گئے تھے۔ وہ کافی حد تک داؤد کے گھر اور فیملی میں ایڈجسٹ ہو چکی تھی۔
داؤد واقعی ایک اچھا اور سلجھا ہوا انسان تھا۔ فارہ نے اسے اپنے معاملے میں نہ تو زیادہ رومینک پایا اور نہ ہی
لا پرواہ۔

وہ بہت ہی معتدل پرسنلٹی کا مالک تھا۔ ہر چیز کو ایک حد میں رکھتا۔ اسے عشق صرف ایک ہی چیز سے
تھا اور وہ تھیں کتابیں۔
اسے بکس فوہیا تھا۔

اور اکثر فارہ چڑتی تھی اس کی عادت پر مگر خوشی بھی تھی کہ داؤد کے پاس علم کا ایک وسیع ذخیرہ تھا۔ وہ ہر ٹاپک
پر بڑی آسانی سے بات کرتا اور اپنے پرائز اور مدلل انداز گفتگو سے دوسروں کو قائل کرنا جانتا تھا۔
اب بھی وہ مطالعے میں مصروف تھا۔ فارہ نے گھڑی کو دیکھ کر سوچا۔ پتہ نہیں کیسے یہ اپنی نیند پوری کرتے
ہیں اور صبح کو فریش سے آفس بھی چلے جاتے ہیں۔
وہ آخر کار کوفت کا شکار ہو کر پوچھ بیٹھی۔

”صبح آفس نہیں جانا کیا؟“

”آپ جاگ رہی ہیں اب تک۔ میں سمجھا شاید سوچکی ہیں۔“
”آپ نے لائٹ جلا رکھی ہے اور مجھے لائٹ میں نیند نہیں آتی۔“ وہ چڑچڑاسا بولی۔
داؤد اس کی بات سن کر مسکرایا۔

”اوہ۔ سوری میں بھول گیا تھا۔“

”روز ہی بھول جاتے ہیں۔ کوئی نئی بات نہیں۔“ وہ ابھی بھی خفا سی تھی۔

داؤد کے چہرے پر اس کی شکایت سن کر مسکراہٹ گہری ہوئی۔

”بہت سی شکایات ہیں مجھ سے؟“ وہ مسکراتا ہوا پاس آیا۔

”تو کیا نہیں ہونی چاہئیں؟“ مصو میت سے پوچھا گیا۔

”ضرور ہونی چاہئیں۔ لیکن ساتھ ساتھ نشاندہی بھی۔“ وہ فارہ کا ہاتھ پکڑ چکا تھا۔

”آپ اتنی کم نیند لے کر خود کی روٹین کو کیسے منج کر لیتے ہیں داؤد۔“ ایک اور معصومانہ سوال ہوا۔

”اوہ۔ تو آپ میرے لیے فکر مند ہیں؟“

”جی نہیں۔“ فارہ اسے مسکراہٹ روکتے دیکھ چکی تھی اسی لیے جلدی سے بولی۔

”تو ہوا کریں نا فکر مند۔ مجھے اچھا لگے گا۔“ فرمائش کی گئی۔

”اچھا اب سو جائیں آپ۔ ٹائم کافی ہو چکا ہے اور صبح آفس بھی جانا ہے آپ کو۔“ فارہ اس کی بدلتی نظروں سے گھبرا کر بولی۔

”اب تو نیند آنا مشکل ہے۔ آپ ہمیں ڈسٹرب کر چکی ہیں۔“ داؤد نے فارہ کو بازوؤں کے گھیرے میں لیا۔
”داؤد! پلیز۔“ وہ منمنائی۔

”نو مور پلیز زز۔ اس آدر ٹائم۔“ وہ گھمبیر لہجے میں بولا اور فارہ پر جھک گیا۔

فارہ کی ان موقعوں پر عجیب سی کیفیت ہوتی تھی۔ جب وہ دور ہوتا تو چڑچڑی ہو جاتی۔ اور جب پاس ہوتا تو دور ہٹنا چاہتی۔ وہ خود بھی اپنی کیفیت کو کوئی نام نہ دے سکی۔



فارہ کو کچھ دنوں سے اپنی طبیعت گری گری سی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ جو سوچ رہی تھی اگر ویسا ہی تھا تو تصدیق چاہ رہی تھی۔ اسی مقصد کے لیے اس نے رمشا کو فون کر کے بلایا تھا۔

اکیلے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا وہ بھی ایسی بات کے لیے۔ اس وقت وہ دونوں ڈاکٹر کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ جو رپورٹس لے چکی تھی۔ بٹ کنفرم نہیں کیا تھا ابھی۔

”مسز فارہ داؤد۔“ نرس کی آواز آئی۔

”میڈم آپ کو ڈاکٹر صاحب اپنے روم میں بلا رہی ہیں۔“ وہ قریب آ کر بولی۔

”جی۔“ فارہ نے کہا۔ ”چلیں بھابھی۔“

رمشانے سر ہلایا اور دونوں اندر کی جانب بڑھیں۔

”پلیز۔ ہیو آ سیٹ۔“ پروفیشنل مسکراہٹ سے کہا گیا۔

”تھینکس۔“ دونوں بیٹھ گئیں۔

”مسز فارہ داؤد۔ آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہو چکا ہے؟“
فارہ جھجکی۔

”تین ماہ۔“ جواب رمشانے دیا۔

ڈاکٹر فارہ کی گھبراہٹ پر مسکرائی۔

”ٹینشن کی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔ شی ازا ایکسیکٹنگ۔“ چھوٹا سا ہم پشہ تھا۔

ان دونوں کی نظریں ملیں۔ ایک نظر شرارتی ہوئی جبکہ دوسری نظر شرم سے جھک گئی۔

ڈاکٹر نے فارہ کو خوشخبری سنائی تھی۔ وہ اور رمشا ڈاکٹر کی چند ضروری ہدایات سن کر باہر نکلیں۔

”ہائے فارہ۔“ رمشانے فارہ کے گلے لگ کر دھڑا دھڑا اس کی پیٹیاں لے ڈالیں۔

”اف بھابھی۔ پبلک پلیس کا ہی خیال کر لیں۔“ فارہ نے بمشکل خود کو چھڑوایا۔

”ہائے سچی فارہ۔ تم نے خبر ہی ایسی دی ہے کہ میرا دل تو بھگڑا ڈالنے کو کر رہا ہے۔“

”میرا بھی دل بھگڑا ڈالنے کو کر رہا ہے۔ اس لیے آپ بھی ایسی ہی خبر سنائیں۔“ فارہ نے اپنی جھجک کم

کرنے کو اس کے لے لے۔

”دی تو تھی پانچ سال پہلے۔“ وہ ہنکھلائی۔

”پانچ سال پہلے کی فیلینگو بھول گئی ہوں اس لیے نئے سرے سے انتظام کریں۔ ویسے بھی آپ تو آیت

کے بعد فل شاپ لگا چکی ہیں۔“ فارہ نے بھرپور طریقے سے بدلہ لیا۔

”اللہ۔ فارہ، کتنی بے شرم ہو گئی ہو۔“ رمشانے منہ پر ہاتھ رکھ کر حیرانگی ظاہر کی۔

فارہ مسکرائی۔

”اچھا یہ مسخرا پن ختم کریں اور چلیں مجھے گھر ڈراپ کر دیں۔“

”تم میرے ساتھ ہی چلو۔ داؤد کو انفارم کر دو۔“ رمشانے مشورہ دیا۔

”نہیں بھابھی۔ میں گھر ہی جاؤں گی۔ آپ وہیں چھوڑ دیں۔“

”او کے۔ چلو ٹھیک ہے میں گھر جا کر خود ہی سب کو گڈ نیوز سنا دوں گی۔ تمہیں تو ویسے بھی داؤد کو بتانے کی جلدی ہے۔“ رمشانے چھیڑا۔

”اچھا بس۔ ڈرائیور کا ہی لحاظ کریں کچھ۔“ فارہ جھپٹی۔

رمشانے اسے اس کے ہی گھر ڈراپ کیا۔



فارہ جب سے گھر آئی تھی یہی سوچے جا رہی تھی کہ داؤد کو کیسے بتاؤں گی۔ ایک عجیب سی جھجک آڑے آرہی تھی۔

”کانڈ پر لکھ کر اسٹڈی ٹیبل پر رکھ دیتی ہوں خود ہی پڑھ لیں گے۔“

”نہیں۔ بہت پرانا طریقہ ہے۔“ خود ہی ریجیکٹ کیا اس طریقے کو۔

”تو پھر۔ فیس ٹوفیس؟“

”نو۔ نیور۔ بالکل نہیں۔ کیسے بتاؤں گی آمنے سامنے۔“

ریجیکٹ۔

”کیا کروں۔ کیسے۔ کیسے؟“ وہ بے چینی سے ادھر ادھر چکر کاٹتے سوچنے لگی۔

”ہاں۔ یس۔ یہی ٹھیک ہے۔“

پیس منٹ بعد فارہ طریقہ ڈیسیائیڈ کر چکی تھی۔



”فائز۔“

رمشانے لیپ ٹاپ پر بڑی فائز کے پاس بیٹھ کر اس کے کندھے پر سر رکھا۔

”ہوں۔“ وہ مسکرایا۔

”آپ ماموں بننے والے ہیں۔“ رمشانے آج کی بڑی خبر دی۔

”ہاں۔ امی نے بتایا مجھے۔ اٹس رئیلی آگڈ نیوز۔ آئی ایم سوپہی فار مائے ڈئیر سس۔“ فائز نے مسکرا کر

خوشی کا اظہار کیا۔

”میں بھی بہت خوش ہوں فائز۔“

”اچھا۔ تو پھر مجھے بھی خوش کر دو۔“ وہ مسکرایا۔

”وہ کیسے؟“ وہ ہونق بنی۔

فائز نے ہونٹ دانتوں تلے دبا کر مسکراہٹ روکی اور بولا۔

”ماموں تو بننے والا ہوں۔ اب باپ بھی بنادو۔“

”اف۔ فائز۔“ رمشا اچھلی۔

”ہاہاہاہا۔“ فائز نے چھت پھاڑ قہقہہ مارا اس کے اچھلنے پر۔

”کیوں کچھ غلط کہا میں نے۔“ وہ معصوم بنا۔

”آپ باپ بن چکے ہیں فائز۔“ رمشا نے اطلاع دی۔

”ہاہاہا۔ اچھا۔ تمہیں آیت کی فرمائش یاد ہے؟“ وہ ہنسا۔

رمشا بلش کی۔ پر کنزور نہیں پڑی۔

”یوں کہیں نا، بیٹی کی آڑ میں بیٹا حاصل کرنے کی خواہش کر رہے ہیں۔“ وہ خفا ہوئی۔

”خواہش تو ہے پر بیٹے کی نہیں۔ نیکسٹ بے بی کی۔ اور میرے خیال سے پانچ سال کی ریٹ کافی ہے۔“

وہ شریر ہوا۔

”اف تو بہ ہے۔“ وہ کانوں تک سرخ پڑی۔

”ارے جان من۔ کوئی نا جائز خواہش تو نہیں۔ جو اتنی سوچ بچار۔“ فائز نے اسے جھینپے دیکھ کر آنکھ ماری۔

”آپ کے پاس تو بیٹھنا ہی فضول ہے۔“ وہ باہر کی جانب بڑھی۔

”ہم باپ، بیٹی کی فرمائش پر غور ضرور کریئے گا ڈیر مسز۔“ فائز نے اسے جاتے جاتے بھی چھیڑا۔

رمشا آنکھیں نکال کر باقاعدہ اسے ڈرا کر باہر نکلی۔ اس کے ڈرانے پر پیچھے فائز کا قہقہہ بلند ہوا۔



فارہ نے داؤد کے آنے پر پورٹس ڈریسنگ پر رکھیں اور خود کچن میں آ گئی۔
 خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا۔ داؤد کھانے کے بعد کمرے میں چلا گیا اور فارہ کچن میں۔
 ”ہیں۔ انہوں نے تو کوئی خوشی کا اظہار نہیں کیا؟“ وہ حیران ہوئی۔
 ”فارہ۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو ابھی تک۔ جاؤ سوؤ جا کر۔“ سارہ نے اسے کچن میں دیکھ کر کہا۔
 ”جی۔ وہ میں۔ یہ چائے داؤد کے لیے بنا رہی تھی۔“
 ”اچھا اچھا۔“ سارہ مسکرائی۔

فارہ چائے لے کر کمرے میں چلی آئی۔

ایزبوزنل۔ داؤد کتاب میں مصروف تھا۔

”چائے۔“ فارہ نے آگاہ کیا۔

”تھینکس۔ رکھ دیں۔“ داؤد مسکرایا۔

فارہ نے چائے رکھی اور چور نظروں سے ڈریسنگ کی طرف دیکھا پورٹس وہاں پڑی تھیں۔

”تو کیا داؤد نے ابھی تک دیکھی ہی نہیں؟“ لوجی۔ اب منہ سے بتانا پڑے گا۔“ وہ سوچتی ہوئی بیڈ پر اپنی جگہ پر آ کر لیٹی۔

”اب۔ اب کیا کروں۔ ان کو تو بس کتابیں نظر آتیں ہیں پتا نہیں اتنا پڑھ پڑھ کر کون سا ریکارڈ بنائیں

گے۔“ وہ دل ہی دل میں کڑھی۔ داؤد اس کی بے چینی محسوس کر چکا تھا۔ اسی لیے انجان بن کر پوچھا۔

”ڈسٹرب ہو رہی ہیں لائٹ سے۔“ پوچھا گیا۔

”نہیں۔“ روکھا جواب آیا۔

”کیوں؟ آپ تو ڈسٹرب ہوتی ہیں۔ پھر آج کیوں نہیں۔“ مسکراہٹ دہائی۔

فارہ نے غصیلی نظر اس پر ڈالی۔ وہ بھی اس ہی دیکھ رہا تھا۔

فارہ نے جلدی سے نظریں جھکا دیں۔ وہ مسکراتا ہوا چائے پکڑے پاس آیا۔

”اب بتائیں کیا بات ہے؟“ شرارت سے پوچھا گیا۔

”کوئی بات نہیں۔ مجھے نیند آ رہی ہے سونے دیں۔“ فارہ نے کبل لینا چاہا۔

”ایک منٹ۔“ واگوڈ نے مکمل ہٹایا۔

”کیا ہے۔“ وہ چیختی۔

”اتنا ایریٹیٹ کیوں ہو رہی ہیں۔ میں تو آپ کو یاد کروانا چاہ رہا تھا۔ شاید آپ نے کچھ بتانا ہے مجھے؟“

فارہ کو شک ہوا کہ وہ جانتا ہے۔ اس لئے بولی۔

”آپ کا وہم ہے مجھے کچھ نہیں بتانا۔ اب نہیں اور مجھے سونے دیں۔ پلیز۔“

“آر یو شیور فارو؟”

”جی بالکل۔“ وہ بھی ڈھیٹ بنی رہی۔

”او کے۔ لیکن مجھے کچھ بتانا ہے آپ کو“۔ مسکراہٹ بکھری۔

”کیا؟“ فارہ ہونق بنی۔

”یہی۔ کہ میں باپ بننے والا ہوں۔“ آرام سے انکشاف کیا۔

”اف۔“ قارہ جبینی۔ کس قدر حالاک ہیں یہ میں تو بھولای سمجھتی رہی اب تک۔

”کیا ہوا۔ پسند نہیں آئی خبر۔“ دادا کو نے اسے خاموش دیکھ کر پوچھا۔

”مم۔ مجھے تنگ مت کر س داؤد۔“

”ماما ماما۔“ واؤ نے بے ساختہ قہقہہ مارا۔

قارہ نے پہلی دفعہ اس طرح ہنستے دیکھا تھا۔ اس نے نظر میں حیرتیں کہیں لگ ہی نہ جائے۔ سروہ بھاری

نہیں جانتی تھی کہ نظر تو لگ چکی۔ اس کی قسمت کو پھر ایک بار۔



عائش آج بہت ہمت کر کے سجاد صاحب کے آفس آتا تھا۔ مجھے معافی مانگنے۔

فائز کسی ای میل لائے کے کیمن میں کھڑا تھا کہ وہاں سے عائشہ کو گزرتے دیکھا۔ رمشا کی زمانی اس کی واپسی کا

بے چل چکا تھا۔ وہ اس کے پیچھے لگا۔ جو سجاد کے آفس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ فائز اسے روکنا چاہتا تھا تا کہ اس

کے کیے پر اس کا گریبان پکڑ سکے۔ اسے لعن طعن کر سکے۔ اسے سزا دے سکے مگر فائز راستے میں رک گیا۔

اسے روکنے والی عائش کی شکستہ چال، بڑکھڑاتے قدم اور گرتی ہوئی صحت تھی۔

فائز نے پہلے کبھی اسے ایسی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو ہمیشہ ٹین شین رہتا تھا۔ ایک دنیا دیوانی تھی اس کی ڈریسنگ کی، اس کی پرسنلیٹی کی۔ اور اب۔

فائز کو احساس ہو گیا تھا کہ عائش اپنے کیے کی سزا بھگت رہا ہے۔ اس لیے اس نے مزید شرمندہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔



سجاد صاحب بڑی تھے۔ اس کے آفس میں داخل ہونے پر متوجہ ہوئے۔

ان کا لکھتا ہاتھ ساکت ہو چکا تھا۔ ان کی بیٹی کا مجرم۔ ان کا مجرم۔ ان کے خاندان کا مجرم سامنے کھڑا تھا۔ عائش نے جھپکتے ہوئے سلام کیا جس کا کوئی جواب نہ ملا۔ وہ ابھی بھی ساکت بیٹھے تھے۔

”چچا جان۔“ ہمت کر کے آغاز کیا۔ ”مم۔ میں آپ سے معافی مانگنے آیا ہوں چچا جان۔“

”کیوں؟ معافی کس بات کی، تم نے کون سا کوئی لحاظ کام کیا تھا جو معافی مانگنے آئے ہو۔“ وہ طنزیہ ہوئے۔ ”میں شرمندہ ہوں۔“ عائش نے سر جھکا رکھا تھا۔

”شرمندہ ہونے کا کیا فائدہ جو کر چکے وہ لوٹ نہیں سکتا اب۔“ وہ شکستہ سا بولے۔

”چچا جان پلیز۔ مجھے۔ مجھے معاف کر دیں۔“ عائش ان کی چیخ کے پاس نیچے بیٹھ گیا۔

”عائش! میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ تم میرے بھائی کے بیٹے ہو میں تم سے ناراض نہیں ہو سکتا۔ مگر تم نے میری لاڈلی بیٹی کے ساتھ جو کیا وہ بھولنا آسان نہیں۔ لیکن پھر بھی میں بھولنے کی کوشش کروں گا۔ تم اوپر بیٹھو عائش۔ میں نے کبھی بھی تمہیں فائز سے کم نہیں سمجھا۔“ وہ آہستہ سے بولتے ہوئے کھڑے ہوئے۔

”چچا جان۔ آپ۔“ وہ رو پڑا۔

”عائش۔ انہوں نے اٹھ کر اسے سینے سے لگالیا۔ عائش چچا کی فراخ دلی پر ان کا دل سے مشکور تھا۔



آج فارہ، داؤد کیساتھ شاپنگ پر نکلی تھی شادی کے بعد پہلی دفعہ۔ داؤد نے اس کے منع کرنے کے باوجود بہت سی شاپنگ کروادی تھی۔ اب وہ دونوں ایک مہنگے ریسٹورینٹ میں ڈنر کے لیے بیٹھے تھے۔
داؤد کو کوئی دوست نظر آیا تو وہ فارہ کو دس منٹ کا کہہ کر اس طرف چلا گیا۔
فارہ اکیلی بیٹھی ادھر ادھر نظر دوڑانے لگی۔ کافی رش تھا وہاں۔ آج شاید ویک اینڈ ہے اس لیے۔ فارہ نے سوچا۔

”کتنی دیر ہو چکی ہے داؤد، اب آ بھی جائیں میں تھک چکی ہوں۔“ وہ ہنسٹا رہی تھی۔
اسی اثنا میں اس کی نظر دائیں طرف گئی اور ساکت ہو گئی۔ وہاں اس طرف وہی دشمن جاں بیٹھا تھا جو فارہ کے دل پر بلا جھجک حکومت کرتا آیا تھا۔

فارہ کے احساسات ایک دم سے پہلے جیسے ہوئے۔ فارہ اپنی غیر ہوتی حالت پر گھبرائی۔
”یہ۔ یہ کیا ہو رہا ہے مجھے۔ میں تو بھول چکی تھی اسے۔ پھر اب کیوں؟ میرا دل۔ میرا دل بے قابو ہو رہا ہے۔“
”نہیں۔ مم۔ میں داؤد کی بیوی ہوں اور اسی سے محبت کرتی ہوں۔ ہاں میں داؤد سے محبت کرتی ہوں۔“ وہ خود کو باور کروا رہی تھی۔

فارہ چاہ رہی تھی کہ وہ اونچی آواز میں چلا کر سب کو بتائے کہ وہ صرف داؤد سے محبت کرتی ہے۔ پر اس کی زبان اور دل اس بات سے انکاری تھے۔

اتنے میں مقابل کی نظر بھی پڑ چکی تھی۔ عائش حیرت سے اسے اس طرح ٹھٹھکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ جیسے وہ فارہ نہیں اس کا الوڑن ہے۔ جو اسے ہر طرف نظر آتا تھا۔

فارہ اس کا دیکھنا محسوس کر چکی تھی اسی لیے فوراً پرس اٹھا کر باہر کی جانب بڑھی۔
عائش کی تو دنیا ہی اندھیر ہو چکی تھی۔ وہ نظر آئی تھی اتنے کم وقت کے لیے اور وہ اسے دل بھر کر دیکھ بھی نہیں پایا تھا کہ وہ غائب ہو چکی تھی۔ عائش ٹیبل پر سر جھکا کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگا جیسے خود کو زندہ رکھنا چاہتا ہو۔



”آریو او کے فارہ۔“ داؤد فکر مند سا بولا۔

”جج۔ جی۔“

”کیا ہوا ہے۔ طبیعت خراب تھی تو ہمیں ڈاکٹر کے پاس جانا چاہئے تھا اور آپ زبردستی گھر لے آئی ہیں۔“
فارہ نے باہر آ کر داؤد کو فیکسٹ کر کے بتالیا تھا کہ طبیعت خراب ہے۔ جلدی آئیں گھر جانا ہے اور راستے
میں داؤد کے کہنے کے باوجود ڈاکٹر کے پاس نہیں گئی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں داؤد۔“ وہ بمشکل مسکرائی۔ ”آپ پریشان مت ہوں۔ میرا بس دل گھبرا گیا تھا۔ وہاں
بہت کراؤ تھا شاید اس لیے۔“

فارہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تسلی دی۔ جواب بھی بے یقین سا اسے ہی دیکھ رہا تھا
”داؤد۔“ فارہ نے اسے ہلایا۔

”او کے فائن۔ لیکن آپ اپنا خیال رکھا کریں فارہ پلیز۔ آپ اکیلی نہیں ہیں۔ ایک اور وجود کی ذمہ داری
بھی ہے آپ پر۔“ وہ سنجیدہ سا بولا۔

”میں جانتی ہوں اور خیال بھی رکھتی ہوں داؤد۔ آپ پریشان مت ہوں پلیز۔“ فارہ اپنے دل کی حالت
کے برخلاف اسے ریلیکس کر رہی تھی۔ حالانکہ وہ سیکیشن تو اسے، اس کے دل و دماغ کو چاہیے تھی۔
داؤد نے اس کی بات سن کر سر ہلایا اور چنچ کرنے والی روم کی جانب بڑھ گیا۔ پیچھے فارہ اپنے دل کی
دھڑکن کو قابو کرنے لگی۔



عائش ساری رات بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔ وہ جسے دیکھنے کو ترس گیا تھا چند منٹ کا دیدار کرا
کر نجانے کہاں چلی گئی تھی۔

”فارہ۔ فارہ۔ کہاں ہو تم پلیز ایک بار۔ بس ایک بار میرے پاس آ جاؤ۔ خدا کی قسم فارہ، تمہیں کبھی اف بھی
نہیں کہوں گا۔ بس ایک بار۔“ سٹیئرنگ پر سر رکھے اونچی آواز میں روتے ہوئے یہی باتیں دہراتا رہا ساری
رات۔ صبح فجر کے وقت گھر داخل ہوا۔ مسز سکندر جو اس کے انتظار میں تھیں فوراً عائش کی جانب لپکیں۔
”کہاں تھے تم ساری رات اور یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟“ وہ پریشان ہوا ٹھیں۔

”ماں پلیز۔ مجھے روم میں جانے دیں آپ کی کسی بات کا جواب نہیں ہے میرے پاس۔ پلیز زرزرز۔“ وہ ملتی ہوئی۔

”ٹھیک ہے جاؤ۔“ مسز سکندر نے بھاری دل کے ساتھ اجازت دی۔

عائش نے روم میں آتے ہی سگریٹ، لائٹرا اٹھایا اور دھڑا دھڑا سگریٹ پر سگریٹ ختم کرنا شروع کر دی۔ یہاں تک کہ ساری ڈبیاں ختم کر چکا۔



فارہ، داؤد کو تو مطمئن کر چکی تھی پر خود کا دل قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ اس نے داؤد سے سجاد ہاؤس جانے کی اجازت لی اور اب پچھلے دو دن سے یہاں تھی۔

اس وقت وہ ٹیرس پر کھڑی تھی۔ اس دشمن جاں کی ایک جھلک نے ہی سارے بنائے بندوں کو توڑ دیا تھا۔ وہ کیا کرتی۔ بالکل بے بس ہو چکی تھی۔

”میں تو سمجھی تھی کہ تمہیں بھول چکی ہوں پر تم۔“ آنسو پونچھے۔

”اب۔ اب تو سکون سے رہنے دو۔ کیوں پھر سے آگئے ہو عائش۔ کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا جس کی سزا ختم نہیں ہو رہی۔ خدا کے لیے عائش میرے دل و دماغ سے نکل جاؤ۔“ وہ روتی ہوئی زمین پر بیٹھ گئی۔ دل کی بھڑاس آنسوؤں کے ذریعے نکال کر وہ اٹھی۔ وضو کیا اور جائے نماز پر بیٹھ گئی۔ اب وہ اپنے رب کے حضور سجدہ ریز تھی۔

”یا میرے مالک۔ مجھے معاف کر دے میرے گناہوں کو بخش دے۔ میرے مولا۔ میں کسی کی بیوی ہوں۔ اپنے وجود میں اپنے شوہر کی نشانی پال رہی ہوں۔ میرے مالک۔ میرے دل کو بھی میرے شوہر کی محبت سے آباد کر دے۔ وہ شخص میرے مقدر میں نہیں۔ میرے رب مجھے اس کو بھولنے کی توفیق دے دے۔“ وہ سجدے کی حالت میں ہچکیوں میں روتے ہوئے اپنے رب سے اپنے دل کی آزادی کی بھیک مانگ رہی تھی۔



سجاد ہاؤس میں سنڈے کے دن دیر سے ناشتہ کیا جاتا تھا۔ اسی لیے آج سب لیٹ اٹھے تھے اور اس وقت

ڈانگ ٹیبل کی رونق بڑھا رہے تھے۔

فارہ بھی یہیں تھی۔ سب خوش گپیوں کے درمیان ناشتہ کر رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ فارہ کے ہاتھ سے چائے چھلکی۔

”سنجھل کے فارہ بیٹا۔ ہاتھ پر مت گرا لیتا۔“ راحیلہ فکر مند ہوئیں۔

”میں دیکھتا ہوں۔“ فائز فون کی جانب بڑھا۔ فارہ بھائی کی طرف ہی دیکھ رہی تھی اس کا دل نجانے کیوں دھڑکنے لگا تھا۔

فائز عجلت میں فون سن کر آیا۔

”ڈیڈ۔ ہمیں ہسپتال چلنا ہے۔ جلدی کریں۔“

”کیا ہوا فائز۔ کس کا فون تھا؟“ راحیلہ نے دل پر ہاتھ رکھا۔

”ماں۔ وہ۔“ فائز نے ایک نظر بہن کی بدلتی رنگت پر ڈالی اور آہستگی سے بولا۔

”داؤد کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔“

”کیا، کب، کہاں، کیسے۔“ سب اپنی اپنی بولیاں بولنے لگے۔

فارہ خاموش تھی یوں جیسے وہاں ہو ہی نا۔

”فارہ۔ فارہ۔ چلو۔ فائز کہہ رہے ہیں جلدی کرو ہمیں ہسپتال جانا ہے۔“ رمشانے اسے ہلایا۔

”بھابھی۔ دا۔ داؤد۔“

”وہ ٹھیک ہوگا ان شاء اللہ۔ تم اٹھو۔ چلیں۔“

رمشانے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور باہر کی جانب بڑھی۔ فارہ بھی اس کے ساتھ ہی کھینچی چلی گئی۔



”نن۔ نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ داؤد۔ آپ نہیں جاسکتے مجھے چھوڑ کر۔ ہمارا بچہ۔ امی۔ امی۔ امی۔“ فارہ

چلا رہی تھی، رورہی تھی۔ وہ حواسوں میں نہیں تھی۔ جب سے داؤد کی ڈیڈ باڈی گھر آئی تھی فارہ مسلسل یہی الفاظ دہرا رہی تھی۔

ڈاکٹر کو بلایا گیا جو اسے سکون آور انجیکشن دے کر چلا گیا۔

ہر آنکھ اشک بار تھی، ہر دل دکھی تھا۔ یہ کیا ہو گیا تھا۔ اور کتنی اذیتیں لکھی تھیں سجاد ہاؤس کے مکینوں کے نصیب میں۔



قارہ کو ہوش آیا تو وہ بیڈ پر تھی۔ اکیلی۔ دادو نہیں تھا اس کے ساتھ۔
”دادو۔“ قارہ کے منہ سے سسکاری نکلی۔ وہ سسکنے لگی۔

اس کی قسمت پھر سے دعا دے گئی تھی۔ وہ پھر سے لٹ چکی تھی۔ آہ! یہ قسمت۔



قارہ لٹی پٹی سی ایک بار پھر سجاد ہاؤس واپس آ گئی تھی۔

اسے یہاں آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا مگر زخم ابھی بھی تازہ تھا۔

سجاد صاحب بالکل خاموش ہو چکے تھے۔ سب نے ان سے بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ دادو کے جنازے کے بعد سے اب تک ایک لفظ نہیں بولے تھے اور اس خاموشی کا نتیجہ ہارٹ ایک کی صورت سامنے آیا۔

ابھی تو وہاں کے مکین ایک دکھ سے نہ سنبھلے کہ دوسری افتاد آ گئی تھی۔
دکھ شاید اس گھر کا راستہ دیکھ چکے تھے۔



وہ سب آئی سی یو کے باہر تھے۔ ڈاکٹرز نے سیریس کنڈیشن بتائی تھی اور دعا کا کہا تھا۔

دروازہ کھلا اور ڈاکٹر باہر آیا۔

”مسٹر قارئ۔ ہواؤس قارہ۔“

”مائی سسٹر۔“ وہ جلدی سے بولا۔

”اوکے۔ سجاد صاحب مس قارہ اور سکندر صاحب سے ملنا چاہتے ہیں اس لیے ذرا جلدی بلوالیں۔“

”جی۔ میں بلواتا ہوں۔“

سکندر تو وہیں تھے مگر فارہ گھر تھی اس لیے رامش کو بھیجا گیا فارہ اور رامشا کو لینے کے لیے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد فارہ اور سکندر صاحب آئی سی یو میں تھے۔ سجاد کے پاس۔ وہ مختلف مشینوں میں جکڑے ہوئے تھے۔

باپ کو اس حالت میں دیکھ کر فارہ کا دل بند ہو رہا تھا۔ وہ خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی بولنے کی ہمت ہی نہ تھی۔

سکندر صاحب کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی۔ وہ بھی چھوٹے بھائی کو اس حالت میں دیکھ نہیں پا رہے تھے۔

”فا۔ فارہ۔“ سجاد فارہ کا ہاتھ پکڑنا چاہ رہے تھے۔ فارہ نے جلدی سے تقلید کی اور اپنا ہاتھ پکڑا لیا۔ انہوں نے اس کا ہاتھ تھاما اور سکندر صاحب کی طرف بڑھایا۔

”بھابھا..... بھائی صاحب..... میری بیٹی۔ کا۔ خیال۔ رکھیے۔ گا۔ اے۔ اللہ۔ کے۔ بعد۔ آپ۔ کے۔ سپرد کیا۔“ انہوں نے انک انک کربات مکمل کی۔ ان کا سانس اکھڑ چکا تھا۔

”بابا۔ بابا۔ پلیز۔ بابا۔“ فارہ چلا رہی تھی۔

ڈاکٹر ز فوراً اینٹر ہوئے۔ انہوں نے فارہ اور سکندر صاحب کو باہر بھیجا۔ اور دس منٹ بعد خود بھی باہر آئے۔

فائز فوراً لپکا۔ ڈاکٹر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مدھم سرگوشی کی۔

”ہی از نو مور۔“



ٹھیک دس دن بعد سجاد ہاؤس پر دوسری قیامت ٹوٹی تھی۔ فارہ پہلے دھچکے سے نہ سنبھلی تھی کہ دوسرا رشتہ بھی ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ طرح طرح کی بولیاں تھی ہر طرف۔ بیچاری کی پہلی طلاق ہو گئی اور دوسری شادی سے بیوہ اور اب باپ بھی چلا گیا۔ کیا قسمت پائی ہے بیچاری نے۔

وہاں موجود ہر عورت کے منہ پر یہی کہانی تھی۔ وہ افسوس کم اور نمک پاشی زیادہ کر رہی تھیں۔ فارہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ اس کے کانوں میں یہی فقرے گردش کر رہے تھے

یہ طلاق یافتہ ہے۔

یہ بیوہ ہے۔

یہ یتیم ہے۔

وہ بھاگ جانا چاہتی تھی کسی ایسی جگہ جہاں کوئی ذی روح نہ ہو۔ جہاں کوئی آواز نہ سنائی دے۔ جہاں وہ اکیلی ہو اور تنہائی ہو۔ اسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے وہ انھی اور باہر کی جانب بڑھی۔ فارہ ارد گرد دیکھے بغیر ناک کی سیدھ میں چلتی جا رہی تھی۔ وہ گیٹ سے باہر نکل گئی تھی۔ لان میں موجود لوگوں میں سے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ رمشا، راحیلہ بیگم کو سنبھال رہی تھی جو بالکل حواس میں نہ تھیں۔ تو فارہ کو کون دیکھتا؟



عائش قبرستان سے واپس سجاد ہاؤس آ رہا تھا کہ گھر سے کچھ فاصلے پر لوگوں کا جھوم دیکھا۔ گاڑی آگے لے جانا مشکل تھا اس نے گاڑی سائیڈ پر پارک کی اور باہر نکلا۔ وہ آگے آیا اور وہاں کھڑے آدمی سے پوچھا۔
”کیا ہوا ہے یہاں؟“

”کوئی لڑکی بے ہوش پڑی ہے۔ پتہ نہیں کون سی قیامت ٹوٹی ہے بیچاری پر۔“ وہ افسوس کر رہا تھا لڑکی کی حالت پر۔

عائش آدمی کی بات سن کر جھوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ وہاں موجود لوگ صرف نظارہ لے رہے تھے کوئی بھی اس لڑکی کو ہسپتال لے جانے کو تیار نہ تھا۔
عائش اسی مقصد سے بڑھا تھا کہ ہسپتال لے جاسکے۔ مگر وہاں فارہ کو گرے دیکھ اس کے اپنے اوسان خطا ہو چکے تھے۔

وہ جلدی سے زمین پر بیٹھا۔

”فارہ۔ فارہ۔ ہوش۔ ہوش میں آؤ فارہ۔“ عائش اس کے چہرے کو تھپک رہا تھا مگر دوسری جانب خاموشی ہی رہی۔ عائش نے فائز کا نمبر ڈائل کیا وہ بند تھا۔ پھر رامش کا۔ وہ بھی اوپلیبل نہیں تھا۔
عائش نے فارہ کو بازوؤں میں اٹھایا اور گاڑی کی طرف بڑھا۔ وہ ہسپتال جا رہا تھا۔



”آئی ایم سوری ٹو سے۔ آپ کی مسز کنروس بریک ڈاؤن ہوا تھا جس کی وجہ سے ان کا مس کیرج ہو گیا

ہے۔ آپ کو احتیاط کرنی چاہیے تھی۔ ان کی کنڈیشن بہت مشکل سے سنبھلی ہے۔ آئندہ کیرفل رہیے گا۔ کچھ دیر میں ان کو روم میں شفٹ کر دیا جائے گا۔ ہوش میں آنے پر آپ مل سکتے ہیں۔“ ڈاکٹر نے رسی گفتگو کی اور چلا گیا۔ عائش نے بھی غلط فہمی دور نہ کی کہ وہ پیشہ کا ہر بینڈ نہیں۔ وہ تو لفظ مس کیرج پر اڑا ہوا تھا۔ تو کیا فارہ ماں بننے والی تھی؟



ایک ہفتے بعد فارہ کی حالت کے پیش نظر ڈسپارچ کر دیا گیا تھا۔ وہ بالکل خاموش ہو چکی تھی۔ کوئی پوچھتا تو جواب دیتی ورنہ گھنٹوں ایسے ہی گزار دیتی۔ کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔ نہ کھانے پینے کا۔ نہ پہنے اوڑھنے کا۔ اس مشکل وقت میں رمشاہی سنبھال رہی تھی سب کو۔ وہ بالکل گھن چکر بن چکی تھی۔ لیکن مشکل وقت بھی گزر رہی جاتا ہے اور گزرتا وقت ہی زخموں کے لیے مرہم کا کام کرتا ہے۔



راحیلہ بیگم بیٹی کی خاطر خود کو بہت سنبھال چکی تھیں۔ اب وہ فارہ کو بھی سنبھال رہی تھیں۔ سب فارہ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ فارہ بھی آہستہ آہستہ زندگی کی طرف لوٹ رہی تھی۔ اتنا کچھ گنوا کے بھی وہ زندہ تھی۔ تو ضرور قدرت کی کوئی مصلحت تھی۔ بے شک اللہ کے ہر کام میں بہتری پوشیدہ ہوتی ہے۔



عائش، فارہ کے سنبھالنے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اس سے ملنا چاہ رہا تھا اور اسی مقصد کے لیے وہ ماں کے پاس آیا تھا۔

”ماں۔ مجھے فارہ سے ملنا ہے۔ میں ملنا چاہتا ہوں اس سے۔ پلیز آپ چچی سے بات کریں۔“

”عائش کچھ دن رک جاؤ اور.....“

”نہیں مُمی۔ پلیز۔ اور نہیں۔“ وہ ہلچلی ہوا۔

”اچھا کرتی ہوں بات لیکن اگر راحیلہ نے منع کر دیا تو پھر دوبارہ ضد مت کرنا۔“

”نہیں کروں گا۔“

وہ جانتا تھا کہ چچی ہرگز منع نہیں کریں گی کیونکہ وہ چچی کو منا چکا تھا۔ چچا کی موجودگی میں ہی ان کی ہیلپ کے ساتھ۔ عائش سجاد کے اعلیٰ ظرفی کا گرویدہ ہو چکا تھا۔



راحیلہ بیگم کی اجازت پا کر آج عائش سجاد ہاؤس آیا تھا۔ فارہ سے ملنے۔ ملازمہ نے فارہ کو اطلاع دی تھی کہ آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔ ڈرائنگ روم میں۔ کون آیا ہے یہ نہیں بتایا تھا۔

فارہ کچھ دیر بعد ڈرائنگ روم میں تھی مگر وہاں عائش کو دیکھ کر ساکت ہو گئی۔ اب کیا کرنے آیا ہے یہ شخص۔ میری بے بسی کا تماشہ دیکھنے یا پھر مجھے یہ بتانے کہ میں اس قابل نہیں کہ کوئی مرد زیادہ دیر میرا ساتھ نبھاسکے۔

عائش، فارہ کو ساکت دیکھ کر ہچکچایا لیکن بات تو شروع کرنی ہی تھی۔ ”کیسی ہو؟“ مدھم آواز میں پوچھا گیا۔

فارہ کو لگا وہ ابھی گر جائے گی اس لیے مضبوطی سی صوفے کو پکڑا۔ ”کیوں۔ کیوں آئے ہیں یہاں؟“ کپکپاتی آواز سے پوچھا۔

”فارہ! پیٹھ جاؤ۔“

عائش کو لگ رہا تھا وہ اب گری کہ تب۔

”میں ٹھیک ہوں۔ کیوں آئے ہو یہاں؟ اگر یہ دیکھنے آئے ہو کہ میں تمہاری جدائی میں مر رہی ہوں تو یہ بھول ہے تمہاری۔ اور اگر یہ دیکھنا چاہتے ہو کہ ایک بار پھر سے اجڑ کر کیسی لگ رہی ہوں تو دیکھ لو۔ جی بھر کر۔ تاکہ کوئی حسرت نہ رہے تمہیں۔“ فارہ غصے اور بے بسی سے آپ سے تم پر آ گئی تھی۔

”مم۔ میں تم سے معافی مانگنے آیا ہوں۔ فارہ۔“

”معافی۔ معافی کیسی؟“ وہ استہزائیہ ہوئی۔

”فارہ۔ میں شرمندہ ہوں۔“ وہ سر جھکائے ہلکی آواز میں بات کر رہا تھا اور فارہ ہر بات اس کے جھکے سر کو دیکھ کر رہی تھی۔

”میں نے معاف کیا تمہیں عائش سکندر جاؤ اور دوبارہ کبھی میرے سامنے مت آنا۔ میں ہاتھ جوڑتی ہوں تمہارے آگے۔“

فارہ نے واقعی ہاتھ جوڑ دیئے۔ آنسو ایک تو اترے جاری تھے۔ عائش کے لیے اسے روتے دیکھنا اور وہاں مزید کھڑے رہنا مشکل ہو گیا۔ وہ سائیڈ سے ہو کر لٹکا چلا گیا۔

فارہ وہیں زمین پر بیٹھتی سک اٹھی۔ احساس بھی کب ہوا تمہیں عائش سکندر جب سب کچھ لٹ چکا۔

درد کی دل پہ حکومت تھی کہاں تھا اس وقت
جب مجھے تیری ضرورت تھی کہاں تھا اس وقت
موت کے سکھ میں چلا آیا مجھے دیکھنے کو
زندہ رہنے کی مصیبت تھی کہاں تھا اس وقت
دل کے دریاؤں میں ریت ہے صحراؤں کی
جب مجھے تیری ضرورت تھی کہاں تھا اس وقت



زندگی یوں ہی رواں دواں تھی۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ زخم مندمل ہوتے جا رہے تھے۔ سب اپنے مداروں کے گرد حرکت کرتے ہوئے زندگی کے دن گزار رہے تھے۔

فارہ نے خود کو مصروف کرنے کے لیے سکول چاب کر لی تھی۔ اس لیے زندگی اہل ہو گئی تھی۔ وہ کافی حد تک اپنے غموں سے چھٹکارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ وہ سکول کے بچوں کے ساتھ وقت گزار کر خوش تھی۔ اسے زندگی کا مقصد مل گیا تھا۔ وہ مگن سی ہو گئی تھی اپنی روٹین میں۔ مگر راحیلہ بیگم کو بیٹی کی ویران زندگی تکلیف دیتی تھی۔ ان کی بیٹی نے اتنی کم عمری میں بڑے بڑے دکھ جھیلے تھے مگر اب تک نہیں کیا۔ وہ صابر و شاکر رہنے والی لڑکی تھی۔ راحیلہ خدا کے حضور دعا گو تھیں کہ ان کی بیٹی کو اس کے صبر کا پھل مل جائے۔ وہ اٹھتے بیٹھتے یہی دعا

مانگتیں۔ اور بے شک اللہ ماں کے دل سے نکلی دعا رو نہیں کرتا۔



داؤد اور سجاد صاحب کی پہلی برسی گزرنے کے ڈیڑھ ماہ بعد رمشانے گول مٹول سے بیٹے کو جنم دیا تھا۔ سجاد ہاؤس میں برسوں بعد خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ اس بڑی خوشخبری پر سب خوش تھے۔ آیت کے تو پاؤں ہی زمین پر نہیں نکل رہے تھے۔ آخر کو فرمائش جو پوری ہو گئی تھی بھائی کی۔

اب میں اپنی فرینڈز کو خوب جیلس کروں گی وہ ارادہ کر چکی تھی۔

”بھابھی یہ تو مجھ پر گیا ہے۔“ فارہ نے رائے دی۔

”کس طرف سے۔ رائٹ سائیڈ یا لیفٹ سائیڈ سے۔“ فائز نے بہن کو چھیڑا۔

”ہر طرف سے۔“ وہ اترائی۔

”آہم۔ بالکل بھئی۔ آپ پر ہی گیا ہے اس لیے نام بھی آپ ہی ڈیا بیڈ کرو گی۔“

”ریٹلی بھائی۔“ وہ خوشی سے اچھلی۔

”ریٹلی بھائی کی جان۔“ فائز نے اس کا سر تھپکا۔

”ادکے۔ میں سوچتی ہوں۔“ وہ تھوڑی پرانگی رکھ کر سوچنے لگی۔ سب اس کی حرکت پر مسکرا دیئے۔ فارہ نے

کافی غور و خوض کے بعد نام ڈیا بیڈ کیا تھا۔ عبدل ہادی۔

سب کو پسند آیا اور یہی نام فائنل کر دیا گیا۔



”فارہ۔“

”جی امی۔“

”تمہارے تایا تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ جاؤ سن لو جا کر۔“ سکندر صاحب اور مسز سکندر آج خاص

مقصد سے آئے تھے۔

وہ راحیلہ بیگم سے پہلے ہی بات کر چکے تھے مگر فائز نہیں مانا تھا۔ پر راحیلہ نے تھوڑا بہت پریشاں کر کے منا

لیا تھا۔ فائز کی شرط تھی کہ فارہ سے کوئی زبردستی نہیں کرے گا۔ اگر وہ راضی ہو تو پھر مجھے بھی اعتراض نہیں ہوگا۔ فائز کی شرط پر ہی سکندر صاحب، فارہ سے بات کرنے آئے تھے۔

”تایا ابو! بلوایا آپ نے۔“ فارہ لاؤنج میں آئی تھی۔

”فارہ بیٹا۔ یہاں آ کر بیٹھو میرے پاس۔“ انہوں نے اپنے قریب صوفے کی طرف اشارہ کیا۔
مسز سکندر تنہائی فراہم کر کے باہر جا چکی تھیں۔

”فارہ۔“

”جی۔“ وہ سر جھکائے بولی۔

”فارہ بیٹا مجھے اپنا باپ مانتی ہوتاں۔“

”جی۔“ فارہ اس بات پر حیران ہوئی۔

”تو پھر بیٹا۔ اچھی بیٹیوں کی طرح میرا ایک فیصلہ مانو گی۔“

”تایا ابو! کیسی بات کر رہے ہیں آپ۔ آپ کی ہر بات میرے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔“

”نہیں میری جان۔ حکم نہیں۔ ریکوسٹ ہے تم سے۔“

”کہیں۔ میں سن رہی ہوں۔“ اندر ہی اندر وہ ڈر بھی رہی تھی پتہ نہیں کیا بات ہے؟

”فارہ۔“ وہ رکے۔ ”بیٹا۔ سجاد تمہیں خدا کے بعد میرے حوالے کر کے گیا تھا۔ یاد ہے ناں۔“

”کیسے بھول سکتی ہوں تایا ابو۔ وہ بابا کی آخری بات تھی جو جاتے ہوئے انہوں نے مجھے سے کی۔“

وہ رو پڑی۔ سکندر نے اسے سینے سے لگا لیا۔ فارہ دل ہلکا کر کے الگ ہوئی۔

”میں نے آپ کو بھی افسردہ کر دیا۔ سوری۔“

”نہیں بیٹا۔ بس۔“ وہ خاموش ہوئے۔

”تایا ابو! آپ کریں بات۔“

”فارہ بیٹا۔ میں تمہاری شادی کرنا چاہتا ہوں۔“

فارہ کو اسی بات کا ڈر تھا اور وہی ہوا۔

”دیکھو بیٹا سجاد جا چکا ہے۔ میں آج ہوں کل نہیں رہوں گا اس لیے چاہتا ہوں کہ تمہیں مضبوط ہاتھوں میں کر جاؤں تاکہ سجاد کو مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو۔“ وہ رکے۔

”تم کیا کہتی ہو؟“

سارے راستے بند کر کے پوچھ رہے تھے کیا کہتی ہو؟ فارہ خاموش رہی۔

”فارہ۔“

”تایا ابو! جیسے آپ کی مرضی۔“ انکار کا لفظ تو شاید فارہ کی ڈکشنری میں تھا ہی نہیں۔ ہر بات پر سر جھکا دینا ہی اس کا وظیفہ تھا۔

”فارہ بیٹا مجھے یقین ہے تم میرے انتخاب کو قبول کرو گی۔“ وہ مسکرائے۔

”جی۔“ فارہ نے سر ہلا دیا۔

”میں نے تمہارے لیے عائش کا انتخاب کیا ہے۔“

فارہ کے سر پر دھماکا ہوا۔

”عائش۔ عائش سکندر؟ یہ کیا کہہ دیا آپ نے۔“ وہ دل میں ہمکا م تھی۔

”میں جانتا ہوں یہ مشکل ہے تمہارے لیے پر صرف ایک بار۔ آخری بار۔ میرا فیصلہ اس یقین کے ساتھ قبول کر لو کہ اب کچھ غلط نہیں ہوگا۔ ان شاء اللہ۔“ وہ یقین سے بولے۔

فارہ کی خاموشی دیکھ کر وہ پریشان ہوئے۔

”فارہ بیٹا!“

”جی۔ جی۔“ وہ چونکی۔

”کیا ہوا بیٹا؟“ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”مجھے آپ کا فیصلہ قبول ہے۔“ فارہ نے خود کو کہتے سنا۔



وہ اس وقت عائش سکندر کے بیڈروم میں اس کی بیوی بنے بیٹھی تھی۔ لائٹ پنک فلر کی فراک میں وہ پرستان

کی پری ہی معلوم ہو رہی تھی مگر اس کے دل میں نہ تو کوئی خوشی تھی اور نہ ہی کوئی ارمان۔ وہ خالی دل، خالی دماغ لیے بیٹھی تھی۔

عائش کب کمرے میں آیا۔ کب اس کے پاس بیڈ پر بیٹھا۔ فارہ کو کچھ پتہ نہ چلا۔ چونکی تو تب، جب اپنے ہاتھ کو کسی اور ہاتھ میں قید پایا۔ وہ ہوش میں آ کر ایک دم ہاتھ چھڑوا کر کھڑی ہوئی۔ وہ کوئی کٹھ پتلی نہیں تھی کہ جب چاہا استعمال کر لیا۔ جب چاہا پھینک دیا اور دل کے کہنے پر پھر سے استعمال کے لیے حاصل کر لیا۔ وہ جیتی جاگتی انسان تھی۔ اس کی بھی مرضی تھی۔ اس کا بھی دل تھا۔

”فارہ! کیا ہوا؟“

”میرے پاس آپ کو دینے کو کچھ نہیں ہے عائش اس لیے مجھ پر ترس کھائیے۔ میں بھی آپ کی طرح سانس لیتی انسان ہوں۔ میری بھی خواہشات ہیں۔ میرے بھی خواب ہیں۔ اس لیے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ میں آ تو گئی ہوں وہ بھی اس لیے کہ مجھے جیسی لڑکی کو اب کم از کم کوئی تیسرا مرد ہرگز برداشت نہ کرتا۔ دوسروں کی برتی ہوئی عورت کو کون برداشت کر سکتا ہے بھلا۔“ وہ استہزائیہ ہنسی۔

”فارہ پلیز۔ تمہاری باتیں مجھے تکلیف دے رہی ہیں۔ تم سے کوئی زبردستی نہیں ہوگی تمہیں جتنا وقت چاہیے تم لے سکتی ہو مگر خدا رادو بارہ خود کے لیے اتنے گرے ہوئے الفاظ مت استعمال کرنا۔ تم کیا ہو؟۔ یہ میرا دل جانتا ہے۔ میں جانتا ہوں۔ کوئی کیا کہتا ہے کیا سوچتا ہے مجھ اس بات سے کوئی سروکار نہیں اور تمہیں بھی نہیں ہونا چاہیے۔ تم یہاں رہو جب تک چاہے رہو اپنی مرضی سے۔ میں ہر قدم، ہر سانس کیساتھ تمہارا منتظر رہوں گا۔ بس ایک ذرا سی آواز دے لینا۔ مجھے اپنے قریب پاؤ گی۔“ عائش بھاری گھمبیر آواز میں فارہ کے اندر روح پھونک رہا تھا۔

فارہ یہی تو سننا چاہتی تھی مگر اب نہیں تب جب یہ سب سننے کی خواہش تھی۔

”فارہ۔“ وہ پاس آیا۔ ”ایک۔ ایک وعدہ چاہیے۔“ وہ ہچکچاتا ہوا بولا۔

فارہ کی سوالیہ نظریں اٹھیں۔

”فارہ۔ میں مرتے دم تک تمہارا انتظار کرنے کو تیار ہوں مگر۔“ وہ رکا۔ ”فارہ تم پلٹنے میں ہچکچاؤ گی

نہیں۔ جب کبھی تمہیں لگے کہ تم تھک چکی ہو تو اپنی تھکن مجھے سوچنے میں دیر مت لگانا میری طرح۔“ وہ سانس لینے کو رکا۔ ”فارہ۔ میں۔ میں تم سے بہت محبت کرنے لگا ہوں اتنی کہ اتنا خود کو نہیں سوچا جتنا تمہیں سوچا ہے، چاہا ہے اور مجھے اپنی چاہت پر پورا یقین ہے۔“ وہ کس قدر یقین سے کہہ رہا تھا یہ سب۔

فارہ حیران تھی اس کی ہمت پر۔ مگر چپ رہی اسی میں بہتری تھی۔

یہی بہت ہے کہ تو نے پلٹ کر دیکھ لیا
یہ لطف بھی میری امید سے زیادہ ہے



سات سال بعد.....

سکندر ولا کا گیٹ کھلا اور عائش اپنی گاڑی اندر لے گیا۔ ابھی وہ گاڑی سے نکلا ہی تھا کہ لان میں کھیلتی اس کی دونوں بیٹیاں پرہ اور پریرہ کھیل ادا ہو رہی تھیں۔ عائش نے گھٹنا زمین پر ٹیک کر ہاتھیں پھیلائیں۔ وہ دونوں آگے پیچھے آکر باپ کی ہاتھوں میں سائیں۔ عائش نے باری باری دونوں کے گلابی پھولے پھولے گال چومے۔ جواب میں انہوں نے بھی باپ کی دائیں، بائیں گال چومی۔ اپنا کونا پورا کر کے وہ واپس قہال کی طرف بھاگیں۔ عائش مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔

”السلام علیکم بیوٹیفیل لیڈیز۔“ کین جیئرز پریشیں ماں اور بیوی کو چھیڑا۔

”آج تم جلدی نہیں آگئے۔“ مسز سکندر نے جاننے کے باوجود پوچھا۔ وہ مسکرایا۔

”آفس میں دل نہیں لگ رہا تھا اسی لیے۔“ رنارٹا جواب آیا۔

وہ مسکرائیں بیٹے کی بے تابی پر۔

”کیوں؟“

عائش جانتا تھا جان بوجھ کر رک کر رہی ہیں اس لیے شوخی سے بولا۔

”ڈیئر لیڈی۔ میرا دل، جگر، پیچھڑا۔ سب تو آپ کے ارد گرد ہوتا ہے اس لیے۔“ ساتھ ہی بیوی کو آنکھ

ماری۔

وہ جھپٹی۔

وہ جواب سن کر نہیں۔

”اچھا فریش ہو آؤ پھر چائے پیتے ہیں۔ تب تک سکندر بھی آ جائیں گے۔“

”او کے موم۔“ ماں کی گال سے گال مس کیا۔ اور بیوی کو ہوائی کس دی ہمیشہ کی طرح۔ وہ نظریں جھکا گئی۔

عائش کی رنگ گھماتا، سیٹی پر دھن بجاتا اندر کی جانب بڑھ گیا۔

”جاؤ قارہ بیٹا۔ ورنہ شور مچائے گا۔“ مسز سکندر مسکراتی ہوئی پاس بیٹھی قارہ سے مخاطب ہوئیں۔

”جی۔“ قارہ اپنے بھاری بھر کم وجود کو سنبھالتی اٹھی۔

”احتیاط سے جانا بیٹا۔“ نصیحت ہوئی۔

”جی۔“ قارہ آہستگی سے چلتی ہوئی اندر بڑھی۔



قارہ کو سیڑھیوں کے پاس اپنی کمر پر ہاتھوں کا احساس ہوا۔ وہ مڑی۔

”عائش۔“

”جی جان عائش۔“ لگاوٹ سے کہا گیا۔

”ہاتھ ہٹائیں۔ میں خود چڑھوں گی سیٹرز۔“

”اوہ کم آن قارہ۔ کتنی دفعہ منع کیا ہے اس کنڈیشن میں اوپر نیچے کے چکر مت لگایا کرو۔“ وہ فکر مند ہوا۔

”اتنی فکر ہے تو لفٹ لگوا دیں۔“ چڑچڑا جواب آیا۔

”جو حکم جناب۔“ وہ جھکا۔

”اچھا بس۔ اب کمرے میں جانا ہے یا نہیں۔“

”چلیں ملکہ جان۔“ پُر اثر انداز میں کہا گیا

قارہ ایک ایک سیٹپ اٹھاتی سیڑھیاں چڑھ گئی۔

وہ عائش کے کپڑے نکال رہی تھی جب عائش نے پھر سے اس کے گرد گھیرا ڈالا۔

”تم اس حالت میں واقعی حسین ہو جاتی ہو یا پھر مجھے ہی لگتی ہو۔“ پیار سے پوچھا۔

”عائش۔ دو بیٹیوں کے باپ ہیں اور تیسرا بے بی آرہا ہے ہمارا۔ آپ ابھی بھی پہلی بار کی طرح ری ایکٹ کرتے ہیں۔“

”تیسری بار ہی سہی۔ پر بے بی تو نیا آرہا ناں۔“ گال پر بوسہ لیا۔

فارہ جھینپی۔

”اچھا نہیں کپڑے تو نکالنے دیں۔“ وہ منمنائی۔

”ہر روز کہتا ہوں میرے آنے سے پہلے کیا کرو یہ سب۔ جب میں آؤں تو صرف میرے آس پاس رہا کرو۔“ وہ وارنٹی سے دیکھ رہا تھا اسے۔

”عائش پلیز۔“

”او کے مسز۔“ عائش نے ہاتھ ہٹائے۔

وہ کپڑے لٹکا کر واپس روم میں آئی۔

”آج ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ تھا۔ گئیں؟“ لکچولی میٹنگ میں تھا اس لیے کال نہیں کر سکا۔

”جی گئی تھی۔“ روہان سا جواب دیا۔

”کیا ہوا؟“ عائش کو وہ افسردہ سی دکھائی دی۔

”عائش۔ اس بار بھی بیٹی ہے۔ ڈاکٹر نے الزا سا ڈنڈے سے کفرم کیا۔“ وہ روہانسی ہوئی۔

”کم آن فارہ! بیٹیاں خدا کی رحمت ہوتی ہیں۔ وہ ہمیں پھر سے اپنی رحمت سے نوازا رہا ہے۔“ عائش نے پاس آ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھاما۔ ”جانتی ہو،“ وہ ”جب کسی سے راضی ہوتا ہے اور کسی کو اس ذمہ داری کے قابل جانتا ہے تو بیٹی عطا کرتا ہے۔ ہم تو لگی ہیں ناں جان۔“ ہاتھ کو ہونٹوں سے چھوا۔

”میں بیٹیوں سے نہیں عائش ان کے نصیب سے ڈرتی ہوں۔“ وہ مدھم سا بولی۔

”تو ڈیر مسز اس کا انتظام بھی تو ”وہ مالک“ کر چکا ہے۔“ وہ مسکرایا۔

فارہ نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

”میڈم۔ آپ جانتی تو ہیں۔ پرہ کورامش بھائی مانگ چکے ہیں احمد کے لیے اور پریسہ کو فائز اور رمشا۔“ وہ ہنسا۔ ”اور ہماری تیسری بیٹی کا بھی رشتہ پکا سمجھو۔“

فارہ ہونق سی بیٹھی تھی۔

”کل اسجد کا فون آیا تھا۔ کہہ رہا تھا تیرے اور فارہ بھابھی سے کئی رشتے داری کرنی ہے۔ سدھی بن کر۔ کل تو میں نے کہہ دیا، میں پہلے ہی سدھی بنا چکا ہوں اس لیے نوچانس۔ لیکن آج کال کرتا ہوں کہ رشتہ پکا سمجھو۔“

”عائش۔“ فارہ نے کشن مارا جسے عائش نے قہقہہ لگاتے ہوئے بڑی خوبصورتی سے کچھ کیا اور ہنستا ہوا دواش روم چلا گیا۔

فارہ آہستگی سے چلتی ہوئی آئینے کے سامنے آئی۔ فارہ کا ہاتھ اپنے گلے میں موجود لاکٹ پر گیا۔ جس کے پینڈنٹ میں لکھا ”اللہ“ آج بھی پوری آب و تاب کیساتھ جگمگا رہا تھا۔ وہ غم آنکھوں کے ساتھ مسکرا دی۔

وہ اپنے چہرے پر الوہی خوشی دیکھ سکتی تھی۔ بالآخر اسے اس کے صبر کا پھل مل ہی گیا تھا۔ دیر سے ہی سہی پر فارہ کو عائش کی وقار پر اعتبار آ ہی گیا تھا۔

بچوں کی طبیعت ہے ہم اہل محبت کی
 ضد کرنا، بھل جانا، پھر خود ہی سنبھل جانا

✿.....ختم شد.....✿